

مکمل ناول

عالیہ بخاری

پیشہ میں جھگڑا

”بیلا بی! وہیں کھانے کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ“ آج شازہ بھی یونیورسٹی جائے گی۔ ”ہوائے پکن میں داخل ہوتے ہی اسے اطلاع دینی ضروری تھی۔“

وہ اسی انہماک سے جائے کے کپ میں چھپ چلائی رہی معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔

ہوا کے لیے صبح کا یہ وقت بے حد مصروف ہوا کرتا تھا اس لیے اس کے رد عمل کی جانب انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

”تمہارے لیے بھی ایک اینڈا فرائی کروں۔؟“

رفیعہ بیگم نے تو بے پروا اٹھا سیکھتے ہوئے گردن موڑ کر

اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

وہ دوسرا براٹھائیے میں مصروف ہو گئیں۔ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اسے عام طور پر کچھ بھی درکار نہیں ہوتا تھا۔ اپنی ضروریات کو منہ دوڑکنے کی اسے عادت سی پڑ چکی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی مامتا کی سلی کے لیے ایس ایم کے سوال اس سے روزانہ ہی کر لیا کرتی تھیں۔

”ہوا! اندر سے تلی ای کی آواز سنائی دی۔“ یہ شوگر پاٹ خالی پڑا ہے اور ہاں آصف اور عبیدہ کی اٹھ گئے ہیں۔“

ہوا شکر کا ڈپ اٹھا کر فوراً ہی اندر چل دیں وہ بے چاری صبح سے پھر پھر کر بلکان ہو جاتی تھیں اس گھر میں ہر شخص کو اپنی من پسند چیز جگہ پر بیٹھے بیٹھے ملنی چاہیے تھی البتہ اس کے بعد دوسرے کے کیے کام پر تنقید کا فرض انجام دینے کے لیے کئی لوگ بخوشی ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

”پورن بہت گرم ہے۔“

”سلاکس جلتے ہوئے ہیں۔“

”ہر انٹھوں میں کچی زیادہ لگایا گیا ہے۔“ اور اس کے آگے عموماً ”یہ کلدا بھی سنائی دے جاتا تھا۔“ اچھا براٹھا پکانا بھی ایک آرٹ ہے۔ جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“

یہ تجزیہ مائی امی اور آپا بیگم کا پیش کردہ ہوتا اور وہ



مکمل ناول

عالیہ بخاری

بازہ میں منظر

”بیللا بی! وہیں کھانے کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاؤ“ آج شازہ بھی یونیورسٹی جائے گی۔ ”ہوائے بچن میں داخل ہوتے ہی اسے اطلاع دینی ضروری تھی۔ وہ اسی انشماک سے جائے کے کپ میں چمچ چلاتی رہی معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔ ہوائے بچن کے لیے صبح کا یہ وقت بے حد مصروف ہوا کرتا تھا اس لیے اس کے رد عمل کی جانب انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

”تمہارے لیے بھی ایک انٹرفائی کروں؟“ رفیعہ بیگم نے تو یہ پر اٹھا سینکتے ہوئے گردن موڑ کر

اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ دوسرا اٹھا بیٹنے میں مصروف ہو گئیں۔ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اسے عام طور پر کچھ بھی دوکار نہیں ہوتا تھا۔ اپنی ضروریات کو محدود رکھنے کی اسے عادت سی پڑ چکی تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی ماستا کی سلی کے لیے اس قسم کے سوال اس سے روزانہ ہی کر لیا کرتی تھیں۔

”ہوا!“ اندر سے مائی امی کی آواز سنائی دی۔ ”یہ شوگر پاٹ خالی پڑا ہے اور ہاں آصف اور عبید بھی اٹھ گئے ہیں۔“

ہوا آشکر کا ڈیہ اٹھا کر فوراً ہی اندر چل دیں وہ بے چاری صبح سے پھر پھر کر بلکان ہو جاتی تھیں اس گھر میں ہر شخص کو اپنی من پسند چیز جگہ پر بیٹھے بیٹھے ملنی چاہیے تھی البتہ اس کے بعد دوسرے کے لیے کام پر تنقید کا فرض انجام دینے کے لیے کئی لوگ بخوشی ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

”پوریج بہت گرم ہے۔“

”سلا سلا جلتے ہوئے ہیں۔“

”مر اٹھوں میں سچی زیادہ لگایا گیا ہے۔“ اور اس کے آگے عموماً ”یہ کلدا بھی سنائی دے جاتا تھا“ اچھا پر اٹھا پکانا بھی ایک آرٹ ہے۔ جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

یہ تجزیہ مائی امی اور آپا بیگم کا پیش کردہ ہوتا اور وہ



دونوں ہمیشہ اپنی ہر رائے کو حرف آخر سمجھنے کی عادی تھیں۔ بیلا کا دل چاہتا کہ گھر میں موجود یہ ”ماہر آرٹسٹ“ زبانوں کو تکلیف دینے کے بجائے اپنے ہاتھوں کے جوہر کو منظر عام پر لائیں، تاکہ وہ بھی ان کی استادی کی قائل ہو سکے، مگر ایسا وہ صرف سوچ کر رہ جاتی، کئے سے کچھ حاصل بھی نہیں تھا، محض نقصان کے اور جتنے بہت سے نقصانات وہ بچپن سے اب تک اٹھاتی چلی آ رہی تھی ان میں مزید کسی اضافے کو وہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

سلاکس کا نرم سا گلزار جو اس نے وانٹوں سے کاٹا تھا، چائے کا ایک گھونٹ لے کر حلق سے نیچے اتار رہا۔

یو اے سی فرمائش کے ساتھ دوبارہ کچن میں آچکی تھیں، اور اب امی کے ساتھ قلیل ارشاد میں مصروف تھیں۔

صبح سویرے کایہ سین اسے اب اذہر ہو چکا تھا اور اگر کوئی اس سے پوچھتا تو وہ ایک سیکنڈ سے بھی ہر وقت میں بہت روائی کے ساتھ بتا سکتی تھی کہ بٹایا کیا ناشتہ پورچ اور دودھ پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ ٹائی ای اور تبا بیگم ویسی کھی پر اٹھے اور آئیٹ پینڈ کرتی تھیں، دونوں ہمیشہ ذرا بھی کوئسٹنول کا شمس نہیں تھیں، دور حاضر کی جن بیاریوں کا ذرا اچھے کئے لوگوں کو ہاتھ کھینچ کر کھانے پر مجبور کئے رکھتا ہے ان دونوں کو ان کی بھی مطلق پروا نہیں تھی۔ شانزہ وزن کم کرنے کی فکر میں غلطی رہتی سو اس کے لیے آوازہ جوس کا اہتمام ضرور ہوتا، اب یہ الگ بات کہ ڈائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر کچھ کچھ کھانے میں سب ہی کچھ کھالیا جاتا، پھر آصف اور عبید تھے جو کھانے پینے کی عادات میں بالترتیب اپنی والدہ اور بہن پر ہی گئے تھے۔

”کتنی بار کہا ہے کہ یہ جو سر فوراً صاف کر کے رکھا کرو، مگر کھنڈوں ویسا ہی پڑا رہتا ہے۔“ ٹائی ای مخاطب ہوا سے تھیں مگر رفیعہ ناشتہ ادا ہو کر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”کوئی بات نہیں۔“ رفیعہ ہولے سے مسکرائیں اور برش لے کر میٹش ہوئے سیب کو جالی پر سے صاف کرنے لگیں۔ وہ اسی طرح بے نیازی سے بیٹھی رہی، حالانکہ امی کو یوں ناشتہ بیچ میں چھوڑ کر اٹھتے دیکھنا اسے اچھا نہیں لگا تھا مگر عادت سے مجبور تھی، کبھی بھی اسے ان سب کے آگے دوڑ دوڑ کر کام کرنا پسند نہیں رہا تھا اور اس کی ایسی کوتاہیوں کا ازالہ کرنے کے لیے رفیعہ بیگم تو تھیں ہی۔

”تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ شانزہ کے ساتھ کیوں نہیں چلی گئیں؟“ ٹائی ای کو اس کی یہ بے نیازی ہمیشہ چنچ محسوس ہوتی تھی۔

”مجھے ذرا دیر سے جانا تھا آج۔“

”جب گاڑی جانی رہی تھی تو بیٹھ جانا تھا تمہیں بھی، اب رکشہ ٹیکسی میں پیسے برباد کر گئے۔“ انہوں نے مبالغہ کی انتہا کر دی، وہ یونیورسٹی ہمیشہ بس سے جایا کرتی تھی، آج اس کا پوائنٹ مرس ہو گیا تھا مگر امیر نے کل کہا تھا کہ آج اس کے ابو ان دونوں کو چھوڑ دیں گے، سو وہ اسی کے انتظار میں تھی۔

”اچھا امی! میں جا رہی ہوں، خدا حافظ۔“ گاڑی کا باران سن کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ بیلا جاس کے ساتھ رہی ہے۔“ ٹائی ای نے ذرا کمزور ہوا کر کھڑی کے شیشوں سے اس بار دیکھتے ہوئے سوال کیا حالانکہ چینی کی پاڑھ کے ساتھ کھڑی ہوئی امیر کی گاڑی وہ دیکھ ہی چکی تھیں۔

”امیر کے والد ہیں وہی ان دونوں کو چھوڑ دیں گے۔“ رفیعہ جو سر کو صاف کر چکی تھیں اور اب دیگر چھوٹی موٹی چیزیں سمیٹ رہی تھیں ناشتہ جوں کا توں رکھا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ٹائی ای کی موجودگی میں انہیں تک کر بیٹھنا نصیب نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے کنبہ بانی مصروف تھیں۔

”یہ بھی کوئی بات ہے کہ کھڑی گاڑی ہوتے ہوئے غیوں کا احسان لیا جائے، غیر بھائی! مرضی ہے، ہم تو کچھ کہتے نہیں کہ بن باپ کی پگی ہے۔“ ٹائی ای اپنے آپ سے ہی مخاطب تھیں، وہ بہت سی باتیں یو بی پھر

کسی کو مخاطب کیے کہہ ڈالتی تھیں۔ جب تک امیر کی گاڑی چلی نہیں گئی تھی وہ بدستور کھڑکی سے جھانکتی رہیں۔

رفیعہ کیا کہہ سکتی تھیں، ان کے بس میں ہوتا تو وہ زبردستی ہی بیلا کو شانزہ کے ساتھ کر دیتیں۔ مگر بیلا سے اس کی مرضی کے خلاف کچھ بھی کروا لینا ان کے لیے حد درجہ مشکل ہوا کرتا تھا، شانزہ کالج سے یونیورسٹی تک کوئی باقاعدگی سے کلاسز اینڈ کرنے والی اسٹوڈنٹ نہیں رہی تھی اور کبھی کبھی یہ گاڑی کی سہولت اس کے طفیل حاصل کرنا بیلا کو منظور نہیں تھا۔

”پلیز امی! میں جیسی ہوں مجھے رہنے دیجئے، میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی، اس لیے باہر کسی بات سے انکار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

ابھی ایک روز پہلے بہت سمجھانے بھانے پر بیلا نے ان سے کہا تھا اور اس کے انداز میں جو چیزاری تھی اسے رفیعہ نے غولی محسوس کیا تھا۔

”شام کو آؤں گا، کون کون چل رہا ہے بھائی۔“ یاد کرنے دور سے ہی چلا کر پوچھا۔

بیلا کا تیزی سے چلتا ہاتھ اس سے اجالت پر ذرا کا، وہ سامنے سے آ رہا تھا۔

”گروپ ایگزیکٹویشن ہے ہینڈلنگ کی اور چند تو بڑے کمال کے آرٹسٹ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم جیسے آرٹ کے قدردان وہاں نہ پہنچے تو بہت غلط بات ہوگی۔ ویسے ہی اس ملک میں بے چارے آرٹسٹوں کو سٹیبیل کی تیز نگاہوں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے اسے اپنی بات ادا ہو رہی چھوڑ کر پوچھنا پڑ گیا۔

”کیا بات ہے؟ اتنے غصہ میں کیوں دیکھ رہی ہو؟“

”ایک کون سکون کا صوفیہ اٹھا، تم یہاں بھی پہنچ گئے اور براہ کرم یوں چلا کر مت بولا کرو، اندر بھی لوگ ڈسٹرب ہوں گے۔“ بیلا نے ذرا اٹکلی سے کہا۔

لا بیری کی کھڑکی سے نیچے والے لان میں وہ اور امیر بہت دیر سے مصروف تھیں۔

یاد رہے ذرا سناٹا کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر

اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولا ”تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ لا بیری کی کھڑکی مضبوطی کے ساتھ بند ہے، اس لیے مزید کسی کے ڈسٹرب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم بھی زبردستی ہی ڈسٹرب ہو رہی ہو، امیر کو دیکھو، ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔“

”وہ تو خیر پریکٹس کر رہی ہے۔ آخر اسی بک بک میں اسے زندگی بسر کرنی ہے۔“ بیلا نے دوبارہ ٹوٹس پر نگاہیں جمائیں۔

”اب میں کچھ نہیں کہوں گا، باہر بھائی کی توہین کا جواب دینا امیر کا فرض بنتا ہے۔“

”باہر بھائی کا کیا ذکر ہے یہاں۔“

”امیر کے منگتر بہن کے ساتھ تمہارے خیال میں بک بک میں اس کی زندگی گزرنی ہے۔“

”میرا اشارہ تمہاری طرف ہے سمجھو!“ بیلا بہت کوشش کے باوجود بھی اس کے سامنے خود کو جھینٹلانے سے نہیں روک پائی تھی ”آخر تم کو بھی تو اسی گھر میں رہنا ہے۔“

”کیا؟ جو زندگی گزارنے والی بات۔“

”یاد رہے!“ امیر کو دخل اندازی کرنی ہی پڑ گئی ”ہمیں بہت کام ہے، تمہیں اچھی طرح بتا ہے کہ ہمارا فائنل سمسٹر بالکل سر پر ہے، اور تم یہ کیا بے وقوفوں کی طرح اس سے سوال جواب کرتے بیٹھ جاتی ہو۔“

بیلا کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، پر یاد کے سامنے ہار ماننا بھی ذرا مشکل مرحلہ ہوتا تھا، سو ذرا بے نیازی برتتے ہوئے بولی ”اب کیا کیا جائے اگر کوئی روزانہ آکر سر پر سوار ہو گا تو ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ بے وقوفی تو انسان سے ہو ہی جائے گی۔“

امیر ہنسنے لگی۔

”بھتیجی چاہے ہنس لو، میں بے وقوفوں کی باتوں کا برا نہیں مانتا کرتا۔“ وہ بے حد اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

”بے وقوف ہو گے تم خود۔“ بیلا پھر نہ سکی۔

”اے اے! ابھی تم نے خود ہی قبول کیا ہے!“

”بس، بس۔“ امبر نے ہاتھ جوڑ دیے ”یہ تم نے اپنے لُج ٹائم میں اٹھ کر یہاں تک آنے کی تکلیف جس سلسلے میں گوارا کی ہے اس پروگرام کو فاسل کرو اور چلتے ہو۔“

”ہاں تو تم دونوں بناؤ، کس وقت چلنا ہے اسی حساب سے میں بھی ٹائم نکالتا ہوں کوئی فارغ انسان تو میں بھی نہیں ہوں۔“

بیلہ کا دل تو چاکا لگے ہاتھوں یا در سے یہ بھی پوچھ ڈالے کہ اگر وہ اتنا ہی مصروف رہتا ہے تو ہر جوتے دن یونیورسٹی کا چکر لگانے کا ٹائم کہاں سے نکل لیتا ہے مگر اس سوال کے جواب میں بحث کا ایک نیا باب عمل جانے کا پورا پورا چانس تھا اس لیے خواہش ضبط کرتے ہوئے اتنا ہی کہہ سکی کہ ”میں تو جانتی ہوں سستی تم دونوں چلے جاؤ، مجھے تو ابھی کھڑا ہونا ہے اور پھر شام کو امی کے ساتھ خالہ کے گھر جانا ہے۔“

”یہ تم خالہ کے گھر کے چکر بڑی باقاعدگی سے لگاتی ہو“ آخر معاملہ کیا ہے؟“ یاد نے پوچھا تو پھر بے بسی کے انداز میں تھا ”پر آنکھوں میں ایک ہلکی سی الجھن بھی تھی۔“

”ان کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے امی بے چاری کئی دن سے وہاں جانے کو کہہ رہی ہیں ظاہر ہے کہ میرے ساتھ ہی جاتی ہیں۔“ اس کے لیے جس پچی شرارت کو نظر انداز کرتے ہوئے بیلہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

”گو تو میں اگر تمہیں اور آنٹی کو چھوڑ دوں۔“ ”نہیں ہم لوگ چلے جائیں گے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ یاد کی پیش کش پر وہ مسکرا دی، اس کے غلوں پر بیلہ کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا، مگر اپنی ذات کے لیے وہ سروں کو تکلیف دینا اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھا۔

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھ گیا۔ ”تم دونوں اپنا پروگرام خراب مت کرو میری وجہ سے۔“ بیلہ نے کانٹہ بیٹھنی امبر سے کہا وہ اب گھر چلنے کے موڈ میں تھی اور ٹائم بھی اچھا خاصا ہو چلا تھا۔

”ارے کوئی پروگرام وروگرام نہیں، پھر کسی دن دیکھ لیں گے۔“ امبر نے لاپرواہی سے ہاتھ ملایا ”اول تو آج کل ہمیں ایسی عیاشی سوٹ بھی نہیں کرنی اور دوسرے اس فضول کوئی کے ساتھ جا کر کرتا بھی کیا ہے۔“

”اچھا، اب زیادہ پرستی انیک کرنے کی ضرورت نہیں، میں تو یونیورسٹی میں آگیا کہ لاؤ بے چاری وہ لڑکیاں زمانے سے بے خبر کتابوں میں منہ دیے اس کو نے میں بڑی ہیں، انہیں کچھ تفریح ہی۔۔۔“ یاد باقاعدہ ناراض ہو چکا تھا۔

ان دونوں کے ساتھ قدم ملا کر چلتی ہوئی بیلہ نے چپکے سے سوچا کہ اگر زندگی میں ان دو محکمہ دوستوں کا ساتھ بھی نصیب نہ ہوتا تو وقت کا کتنا کس قدر مشکل ہوا کرتا۔

سڑک کے کنارے رکشہ سے اتر کر بیلہ نے پیے ادا کیے اور پھر امی کے ساتھ صفیہ خالہ کی گلی میں مڑ گئی۔

ان تپتی تپتی گلیوں میں رکشہ یا ٹیکسی کا گزر نہیں تھا۔ خننے آنے والوں کے لیے تو ہر یہاں کسی کا گھر ڈھونڈنا بھی از حد دشوار ہو جاتا تھا، مگر وہ پچپن سے یہاں آ رہی تھی سو وہ چار موڑ کاٹ کر چند منٹ میں ہی صفیہ خالہ کے گھر میں موجود تھی۔

خالہ کے گھر میں سب لوگ موجود تھے۔ سکندر، مینا، بیٹی، گڈو کے علاوہ خالو بھی گھر پر ہی تھے۔

”واہ، بھئی! اچھی، بن ہو جو بن کی تیاریوں میں مدد کرنے کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آرام سے بیٹھی ہو۔“ خالو طوطے کرنے کے عادی تھے، باز نہ رہ سکے۔ رفیعہ صفائی پیش کرنے لگیں، ”تو ان سنی کرتے ہوئے بولے ہزار گز کے بیچلے میں رہتی ہو، ہم غریبوں کے گھر تو چند روز کے لیے آنے میں بھی تم کو تکلیف ہی ہوگی۔“

رفیعہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

بیلہ کو خالو کا اس طرح کہنا بہت برا لگا، اس کی امی

اس ہزار گز کے بیچلے میں کتنے آرام کے ساتھ رہتی تھیں، وہ تصویر اگر خالو دیکھ لیتے تو شاید انہیں شرمندہ ہونے کی قیاس ہو جاتی مگر اس نے کبھی خالہ کے ہاں اپنے دو حیل کی برائی نہیں کی تھی، یہ رفیعہ کی اسے بچپن سے سخت بدایت تھی۔

”کسی کا احسان بھلا دینا، بہت بڑی بے ایمانی ہے اور تمہارے تایا لپانے ہمارے سروں پر ہاتھ رکھ کر بہت برا احسان ہم لوگوں پر کیا ہے۔“ یہ بات وہ کئی مرتبہ بیلہ کے سامنے وہ ہر اپنی تھیں، اور اس احسان کا بار اٹھائے رکھنے کی کوشش میں خود کو ہلکان کیے رکھتی تھیں۔

”ابا! آپ بھی کیا بے کاری باتیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں خالہ اور بیلہ کتنے دن بعد تو آپاٹی ہیں اور پھر ہم خود کون سا ان کی خیر لینے جاتے رہتے ہیں۔“

سکندر کو بیلہ پر نہ تھی وہ اس کے سامنے کچھ اچھی دلچسپ باتیں کرتا چاہ رہا تھا، ابا کی یہ بے وقت کی رائی سب سے زیادہ اسے ہی بری لگی۔ وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ گئے۔

صفیہ خالہ نے منمن ننگا ہوں سے بیٹے کو دیکھا، ”میکے کے نام پر ان کی صرف یہ ایک بن تھیں اور ان سے ملے بھی کئی ماہ ہو جایا کرتے تھے، وہ رفیعہ کو لے کر اندر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔“

مینا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بیلہ سے اپنی شادی کی تیاریوں پر باتیں کرے پر سکندر کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہو پا رہا تھا اس نے بیلہ کو وہاں سے اٹھانا ہا۔

”اؤ بیلہ! یاد رچی خانہ میں چائے بناتے ہیں۔“ ”تم جا کر چائے بناؤ، بیلہ کیا کرے گی وہاں۔“ سکندر بڑا تھا اور اب جب سے سروں میں آیا تھا، سارے ہی گھر والے اس سے دبے لگے تھے۔ مینا بھی دل پر جبر کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیلہ نے بھی اس کے ساتھ جانا چاہا، مگر سکندر کے اصرار پر بیٹھنا پڑا، اپنی اور گڈو بھی قریب بڑی کرسیوں پر بیٹھے تھے، اور مستقل بیلہ کی شکل دیکھ جا رہے تھے

اس بھی نظر ملتی تو دانت نکال کر منہ شروع کر دیتے۔

بیلہ کو کوفت سی محسوس ہو رہی تھی، وہ دونوں ہی خاصے بڑے ہو چکے تھے، بیٹی نوں میں اور گڈو آٹھویں میں بڑھ رہا تھا، مگر مہینہ زنام کو نہیں تھے، وہ دانستہ دونوں کو نظر انداز کیے بیٹھی رہی۔

خالہ کے ہاں تربیت کی شدید کمی نظر آتی تھی۔ سکندر اس سے یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق پوچھنے لگا، یہ جان کر کہ اس کا فاسل ایہ زراب ختم ہونے پر ہے، وہ ہر جوش سا ہو گیا۔

”اچھا کیا جو تم نے انگریزی ادب کا انتخاب کیا تھا، نوکری ملنے کے زیادہ اچھے مواقع ملیں گے۔“ بیلہ مسکرا کر خاموش ہی رہی۔

آگے کے پارے میں تو اس نے ابھی سوچا ہی نہیں تھا، ہاں اتنا ضرور طے تھا کہ نوکری کرنی ہے۔ یہ بھی ابھی تک بدل میں ہی محفوظ تھا، تایا ابا سے بات کیے بغیر وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

”تمہارے تایا کے اچھے تعلقات ہیں، کیس بھی لگوا دیں گے، میری مانو کو کوئی اچھی پرائیویٹ جاب ڈھونڈنا وہ لوگ اچھی پے کرتے ہیں۔“ اس کی خیر خواہی پر وہ مہربانی نہ کی۔

مینا گڈو کو آواز دے رہی تھی، اسے غالباً بازار سے کچھ منگوانا تھا، چائے کے ساتھ رکھنے کے لیے۔

”میں نہیں جانا بیکری، اتنی دور ہے، وہ بھی ایک کاپیاں تھا، اپنے بلانے کا مقصد بھانپ کر وہیں سے انکار کر دیا۔“

”کوئی دور نہیں ہے۔“ سکندر نے گھورا ”گلی کے کونے پر ہی تو ہے۔“

”تو گلی کا کونہ بھی تو دور ہے، ایک تو ابانے گھر بھی اتنا اندر کی طرف بنایا ہے، ان ہی کو بھیجا کرو چیزیں لینے۔“ اس نے مزید بد فیئر کی کا مظاہرہ کیا بیلہ سمجھ رہی تھی کہ اب سکندر اسے یقیناً ”جھاڑ پائے“ کا مگر وہ ایک دم ہنسنے لگا، اس کے ہنسنے سے گڈو اور شہ ملی ”پانچ روپے دو پھر جاؤں گا۔“

”لے لے یہ پانچ روپے۔“ سکندر نے جیب سے

نکال کر اسے نوٹ پکڑا یا تو وہ فاتحانہ انداز میں نوٹ کو
نچا تا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اب بنی کی باری تھی وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر
سکندر کے پاس آ کھڑی ہوئی اسے بھی پیسے درکار
تھے۔ سکندر کو اپنی سخاوت دکھانی مقصود تھی سو ایک
دس کانٹ اس کی بھی نذر کیا۔

”لے تو بھی کیا یاد کرے گی۔“

خالہ کے گھر آنے میں زبان کی شائستگی کو ملحوظ رکھنے
کا بالکل بھی رواج نہیں تھا۔ بڑے سے لے کر
چھوٹے تک ایک ہی ٹون میں بات کرنے کے عادی
تھے۔ بیلہ کا ان کے گھر میں تھوڑی ہی دیر میں دل
گھبرانے لگتا تھا۔

چائے پانی کی تو بیلہ امی سے ملنے کا کہنے لگی، صنفیہ
خالہ کا اصرار تھا کہ وہ لوگ کھانا کھا کر جائیں مگر اس کی
مرضی نہیں تھی اپنی دانست میں سب سے اہم کام
یعنی بیٹا کے جوڑوں کو دیکھ کر ان کی بے حد تعریف بھی
وہ کر چکی تھی اور اب مزید یہاں اس کے کرنے کے
لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

”مجھے گھر جا کر پڑھنا ہے خالہ! امتحان بالکل قریب
ہے۔“

”ہاں بھائی بڑے لوگ ہیں ہم غریبوں کی طرح ہر
وقت فارغ نہیں رہتے۔“ خالو نے اس کا جملہ فوراً
ہی اچک لیا اور پھر رفیعہ کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے
بولے۔ ”بھئی رفیعہ! اپنے بھائی کے لیے کوئی کوٹھی
بچنے والی لڑکی دیکھ لو اس کے طفیل ہم بھی زندگی میں
آرام آسائش دیکھ لیں گے۔“

بیلہ نے امی کی جانب دیکھا، ان کے چہرے کی
مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی، خالو کی بات سے وہ
رنجیدہ ہو گئی تھیں، اس لیے کوئی جواب فوری طور پر
نہیں دے پائیں، مگر بیلہ کے خیال میں خالو کو جواب
دینا ضروری تھا اس لیے خاموش نہیں رہ سکی۔

”امی کہاں آتی جاتی ہیں خالو جان! آپ کیس تو میں
سکندر بھائی کے لیے لڑکی دیکھوں، ایک سے بڑھ کر
ایک لڑکی نظر آتی ہے یونیورسٹی میں۔“

خالو تو ابھی امی کی حالت سے پوری طرح لطف بھی
نہیں اٹھاپائے تھے بیلہ کی بات پر کھسیا سے گئے۔

”کیوں نہیں ضرور! رفیعہ ایک بات ہے تمہاری
بیٹی تم سے بالکل ہی مختلف جا رہی ہے۔“

”امی امی ہیں اور میں میں ہوں فرق تو ہوتا ہی ہے
خالو۔“ بیلہ کی مسکراہٹ پر اعتماد بھی۔ خالو نے بھی
چپکلی سی مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ ہوا۔

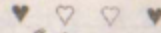
امی اور صنفیہ خالہ دونوں ایک دوسرے سے نگاہیں
چرائے کھڑی تھیں، سکندر کا ہر کوئی دوست آیا ہوا تھا
اس لیے وہ اس وقت باہر تھا۔

رفیعہ اور بیلہ گھر سے نکلیں تو وہ ایک کرنزیک آ
گیا اس کی بھی خواہش تھی کہ وہ لوگ ابھی رہیں۔
”میں خود رات کو جا کر چھوڑ آتا ہوں“ وہ بار بار پیش
کش کر رہا تھا مگر اب دیر ہو چکی تھی، رفیعہ رکنے کے
مؤامد میں ذرا بھی نہیں تھیں۔

رک کر چلا تو بیلہ نے کین اکیوں سے ان کی طرف
دیکھا وہ کسی سوچ میں گم تھیں۔

بیلہ ان کی کیفیت کو سمجھ گئی تھی۔ خالو کی بات
نے انہیں تکلیف دی تھی، بیلہ کو وہ شروع سے ہی
سکندر سے منسوب کرنے کا خواب دیکھ رہی تھیں،
بیلہ کے بچپن میں صنفیہ خالہ نے ایسی کوئی بات چھپڑی
تھی کہ وہ اس کو گھر میں پاندھے چپکلی تھیں۔

”اچھا ہی ہے جتنی جلدی امی کی خوش فہمی دور ہو
جائے۔“ بیلہ نے سوچا اور سچی بات تو یہ کہ امی کو تنہی
والی تکلیف کا خیال اپنی جگہ، خود اسے تو خالو کی بات
سن کر ایک برا خوشگوار سا احساس ہو رہا تھا۔



رفیعہ جس دن سے بمن کے گھر سے آئی تھیں،
خاموش خاموش سی تھیں اور ان کے اس خاموشی کو
سب سے پہلے آپا بیکم نے نوٹ کیا، وہ کئی برسوں سے
میں رہ رہی تھیں، تالی امی اور ان میں آپس میں گہری
انڈر اسٹینڈنگ تھی، شوہر کے انتقال کے بعد جب
انہیں دینی سے پاکستان شفٹ ہونا پڑا تو تالی امی کے
بعد اصرار پر وہ ان ہی کے ہاں رہ گئی تھیں اب اپنے

اکوٹے بیٹے عید کی شانزہ سے ملنے کے بعد انہیں
فراغت سی فراغت تھی۔

”اے رفیعہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، ایسی
بھی بھیجی سی کیوں ہو رہی ہو۔“ اس روز وہ مارے
ہمدردی کے رفیعہ کے پاس آ بیٹھی تھیں، پچھلے
پر آمدے اور اس کی میڑھیوں پر نرم سی دھوپ پھیلی
تھی بیلہ نے کتابوں پر سے سر اٹھا کر ایک نگاہ ان لوگوں
پر ڈالی اور پھر دوبارہ کتابوں میں منہ دے لیا۔

اس کا اور امی کا مشترکہ کمرہ گھر کی پچھلی سائڈ پر تھا،
تالی امی اور آپا بیکم کے زیر استعمال کمرے یہاں سے
فاصلے پر تھے، بیلہ کے خیال میں یہ فاصلہ ان لوگوں کو
عافیت میں رکھے ہوئے تھا۔

”اور اب جو یہ آپا بیکم تکلیف اٹھا کر یہاں تک چل
کر آئی ہیں۔ یقیناً“ اپنے مطلب کی کوئی نہ کوئی بات
کر کے جانے میں کامیاب رہیں گی۔“ بیلہ نے سر
جھکائے ہوئے سوچا۔

اور یہی ہوا۔

کچھ دیر تک انہوں نے رفیعہ کے اپنی بمن کے گھر
جانے اور بھانجی کے رشتے کے قصے میں دلچسپی لی، پھر
وہ سختی رگ پکڑ لی۔

”اے رفیعہ! اب تم بھی بمن سے کہہ کر بیلہ کے
فرض سے سبکدوش ہو بی جاؤ، اب تو اس کی برصائی
بھی ختم ہو رہی ہے، اللہ کا نام لے کر یہ کام گہری
ڈالو۔“ رفیعہ ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

فوری طور پر سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا جواب
دیں۔

”جب رشتہ موجود ہے تو پھر دیر کرنے کی ضرورت
بھی کیا ہے، میں تو خود عید کی شادی کی فکر میں ہوں،
بس ذرا الگ گھر کا انتظام ہو جائے، پھر شانزہ کو رخصت
کر اس کے لیے جاؤں گی۔“

رفیعہ کا اڑتا ہوا رنگ تو انہوں نے فوراً ہی بھانپ
لیا تھا۔ پر انجان بن کر مزید قریب ہونے کی کوشش
میں مصروف تھیں۔

بیلہ جانتی تھی کہ اس کی امی زیادہ دیر اپنی وجہ

آج کے

مشہور و معروف سلسلہ نگار

ایم۔ اے۔ راحت

کا مقبول ترین سلسلہ

شرکشی

اب کتابی صورت میں

چھپے کر تیار ہے،

مکمل سلسلہ 6 حصے

پہلا حصہ 50/- روپے

دوسرا حصہ 50/- روپے

تیسرا حصہ 50/- روپے

چوتھا حصہ 50/- روپے

پانچواں حصہ 50/- روپے

چھٹا حصہ 50/- روپے

6 مکمل حصوں کی قیمت 300 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ 16 روپے

مکمل 6 حصے منگوانے پر ڈاک خرچ فری

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی

فون: 7735021-2216361

لاہور اکیڈمی

سرکل روڈ لاہور فون: 7321690

پریشانی نہیں چھپا سکیں گی۔ بیلہ کے بچپن میں ہی جب اس کے والد حیات تھے اور وہ لوگ اتنے بے حیثیت بھی نہیں تھے، مگر ہر مسرت موقع پر امی، مائی امی کو بتا چکی تھیں کہ بیلہ کی خالہ نے بیلہ کو سکندر کے لیے مانگ رکھا ہے، انہوں نے تو محض ایک بار ہی ذکر سا کیا تھا، مائی امی اس قصے کو بار بار پھیر کر تازہ رکھنے کا سامان کیے رکھتی تھیں۔

”خیر تو ہے! کیا ان لوگوں کی مرضی بدل گئی ہے؟ لڑکے کی دلچسپی کیسے اور ہوگی؟ آج کل یہ پسند کی شادیوں کا بھی برا فیشن نکل چلا ہے۔“ انہوں نے ایک ساتھ کئی تیر چلائے اس امید پر کہ کوئی تو نشانے پر بیٹھے گا۔

بیلہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کتاب بند کی اور اپنے کانٹھ اور فائل سمیٹ کر اندر اپنے کمرے میں چلی آئی، اپنی موجودگی میں اس بے بنیاد رشتہ کا ذکر تک اسے گوارا نہیں تھا۔

امی بے چاری کی بھی کوئی غلطی نہیں تھی، مائی امی اور آپا بیکم کا ذرا سا التفات بھی ان کے لیے بہت ہوتا تھا، مدت سے تنہائی کی زندگی گزار رہی تھیں، اپنوں کی جو مختصر ترین لسٹ ان کے پاس تھی، اس میں یہ دو نام سر فہرست تھے امی نے سارا قصہ آپا بیکم کو کن الفاظ میں گوش گزار کیا، یہ تو بیلہ کو معلوم نہیں ہو سکا، پر اسی رات جب وہ آیا ابا کے بلائے پر ان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی، شانزہ اچانک ہی اس کے سامنے آ گئی۔

”کیا حال ہے بیلہ! کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔“ وہ بہت تیار سے تھی۔ بیلہ ہلکے سے مسکرا دی۔ شانزہ کے اس دھوپ چھاؤں والے موڈ کو اب وہ اچھی طرح جان چکی تھی۔

”تایا ابا نے بلایا ہے، ذرا ان کی بات جا کر سن لوں۔“

”پاپا نے کیا بات کرنی ہے؟ وہی پڑھائی کا پوچھیں گے یا یہ کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور بس۔“ اس کی قیاس آرائی پر بیلہ کو کسی تبصرہ کی ضرورت

نہیں تھی، سو مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

”میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں اپنے کمرے میں۔“ پیچھے سے اس کی آواز سنائی دی۔

”اٹنی خیر!“ بیلہ دھیرے سے بڑھائی۔

تایا ابا کے ساتھ وہ بھی بھی فری نہیں ہو سکی تھی۔ وہ تھے بھی بے حد زبرد اور غیر جذباتی قسم کے انسان، اپنی ساری صلاحیتیں انہوں نے پیسہ کمانے میں صرف کی تھیں اور اس میں کامیاب بھی رہے تھے، بیلہ ان کے اکلوتے مرحوم بھائی کی نشانی تھی، مگر بہت سوچنے پر بھی اسے یاد نہیں آتا تھا کہ تایا ابا نے بھی اس سے اپنے بھائی کی یادیں شیر کی ہوں یا اسے گلے لگا کر دو آنسو بہانے کا فریضہ انجام دیا ہو۔

اسے تایا ابا سے بری سخت شکایتیں تھیں اور درحقیقت تھیں ہی بس ان سے ہی گھر کے دیگر افراد کے رویے کا سبب بھی وہ تایا ابا کے مدیہ کو ہی گردانتی تھی۔

”ہوں! اور دیگر کیا مصوفیات ہیں تمہاری آج کل؟“

”جی!“ بیلہ نے اپنی جھکی ہوئی گردن اور اٹھائی، ابھی ابھی وہ انہیں اپنے امتحان کے سر پر چننے کی اطلاع دے چکی تھی، اور یہ جان لینے کے بعد اس کا نہیں خیال تھا کہ تایا ابا کے پاس اس سوال کی گنجائش ہونی چاہیے۔

”اچھا کسی قسم کی مدد و توجہ کا نہیں ہے تمہیں، میرا مطلب ہے پڑھائی کے سلسلے میں۔“ بیلہ کی آنکھوں میں چھپی چرت کو بھانپ کر انہیں شاید خود ہی اپنے سوال کے فضول ہونے کا احساس ہوا تھا، اس لیے بات بدل گئے وہ اس کے بالکل سامنے اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے تھے اپنے قیمتی سوٹ اور گرے بالوں کے ساتھ وہ اس عمر میں بھی بے حد شاندار دکھائی دیتے تھے۔

”جی! نہیں تو تایا ابا میری تیاری مکمل ہی ہے؟“

”گرا!“ بیلہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ آج انہوں نے اسے

معمول سے زیادہ وقت دیا ہے، ان کے موبائل کی بیل کئی بار ہو چکی تھی، وہ اینڈز کرتے ہوئے بھی انہوں نے اسے رکے رہنے کا اشارہ کیا۔

”بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے، اس تبدیلی کی۔“ وہ سر جھکائے قیاس آرائی کرتی رہی، آج انہوں نے کئی باتیں، محض بات برائے بات کی خاطر کی تھیں۔

تایا ابا کو نہیں ڈر رہا پچھنا، فنون پر ان کی گفتگو سے وہ اتنا تو سمجھ چکی تھی، اس لیے جب وہ بات ختم کر چکے تو وہ فوراً ہی بول اٹھی۔ ”اب میں جاؤں تایا ابا۔“

”ہاں! ہاں بس میں بھی چلتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ کھڑے ہونے سے ان کا دراز قد اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔

بیلہ ان کی جانب دیکھتے ہوئے لمحے بھر کے لیے کھوس گئی، اس کی امی بتاتی تھیں کہ تایا ابا میں اس کے ابا کی بے حد مشابہت آتی ہے، وہی خیال دل کو چھوٹا ہوا کر رہ گیا۔

”کسی بات کی فکر مت کیا کرو بیٹا! میں ہوں نا۔“ انہوں نے بولے سے اس کا سر تھپتھپایا۔ بیلہ حیرت زدہ سی ان کی شکل دیکھ گئی۔

”یہ تایا ابا ہی تھے۔“ معلوم نہیں اس سے سننے میں کوئی غلطی ہوئی تھی۔

بیلہ نے امید بھری نظروں سے ان کی جانب دیکھا کہ شاید ان کی جانب سے کچھ اور عطا ہو، پر وہ اپنا پرانا بے نیازی کا چولا پھر سے پہن چکے تھے، مز کر بک شہادت میں سے کچھ ٹٹولنے لگے۔

”ذرا ڈرائیور کو کہلوانا کہ گاڑی نکالے، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

یہ مشکل تھا کہ اب اسے باہر چلا جانا چاہیے، ان کا پیغام آگے ٹرانسمٹ کر کے وہ اپنے کمرے کے طرف جاتی رہی تھی کہ شانزہ کا خیال آیا، گواہ کے روگھے پن کی بنا پر خود بیلہ نے بھی کبھی اسے زیادہ لفٹ نہیں دی تھی۔ پر اب جبکہ وہ اصرار سے بلارہی تھی تو نہ جانا بھی پرلے درجے کی بداخلاقی تھی، سو چلی آئی شانزہ

اس کی منتظر تھی۔

ابتدائی چند منٹ تو اس نے اس بات پر حیرت کرتے ہوئے گزارے کہ وہ آخر تایا ابا کی کپڑی میں کیسے اتنی دیر بیٹھ گئی ہے۔

”وہی ایک جیسی ان لوگوں کی باتیں ہیں، جو ہر بار نئے سرے سے دہراتے ہیں، اور پاپا تو پھر بھی غنیمت ہیں، وہ ہماری خالہ! آپا بیکم۔“ اس کے چہرے پر پچھلی طنزیہ مسکراہٹ گہری ہوئی، انہیں برداشت کرنا تو ناممکنات میں سے ہے، میں نے تو عید سے صاف کہہ دیا ہے کہ اپنی امی کو کنٹرول کرو، ورنہ میں ذمہ دار نہیں۔“ وہ لارڈ والڈ از میں بولے چلی جا رہی تھی۔

”تم نے مجھے بلایا کیوں تھا؟“ بیلہ کو اسے ٹوکنا برا، ورنہ مستقبل کی ممکنہ ساس کے متعلق شانزہ کا بیان ابھی کافی دیر چلے۔

”وہ ہاں!“ اس نے چونکتے ہوئے کہا، انداز سراسر ایسا تھا جیسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا ہو، حالانکہ بھولی ہوئی وہ کچھ نہیں تھی، اپنی دلچسپی کے قصے تو اسے مینوں بعد بھی از رہ رہتے تھے، یہ تو محض چند گھنٹے پہلے کا ذکر تھا۔

”وہ سنا ہے تمہاری منگنی ٹوٹ گئی ہے۔“ ”لا حول ولا قوہ!“ بیلہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی، پھر ذرا زور سے بولی، ”منگنی ہوئی کہاں تھی، جو ٹوٹی، خواہ مخواہ ایک بات کو۔“

”خیر، بات تو تھی نا! مجھے تو بچ بہت افسوس ہوا۔“ ”کوئی بات نہیں تھی۔“ وہ بے حد چڑسی مٹی تھی اور تمہیں بھی افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حد ہو گئی ہے۔

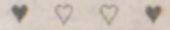
بیلہ کے لیے اب وہاں ایک منٹ رکنے کی گنجائش نہیں تھی، زبردستی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا اسے کبھی بھی نہیں آیا تھا اور شاید اسی لیے گھر میں اس کے بچپن سے ہی بہت آسانی کے ساتھ اس کی خود سری کے چرچے عام ہونے شروع ہو گئے تھے۔

اسی سے ایک لفظ کے بغیر وہ بستر میں گھس گئی۔ کتاب اٹھانے کو ذرا ہی دل نہیں چاہا، ایک بے بنیاد بات کو جس طرح گھر میں ایٹھوٹایا جا رہا تھا، وہ اگلے

کئی دن تک موڈ خراب رکھنے کے لیے کافی تھا۔
بیلہ کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگی،
غصہ کی حالت میں وہ عام طور پر ایسا ہی کیا کرتی تھی، سو
کراٹھنے کے بعد موڈ کی خرابی میں بہر حال کمی ضرور
واقعی ہو جاتی تھی اس وقت بھی یہی نسخہ آزمایا۔

نیند سے بوجھل ہوتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس
نے یہ ضرور سوچنا چاہا کہ آیا اب کے آج کے رویہ میں
محسوس ہوتی تبدیلی کی وجہ بھی یقیناً یہی اطلاع ہو
گی۔

”ہنہ بے کار کی ہمدردیاں۔“
پر کچھ بھی تھا ان کا نہیں ہونا! ”چھانکا تھا۔“



وہ اپنے فائنلز سے فارغ ہوئی تو کئی دن تھکان
اتارنے کی ہی نذر ہو گئے جی بھر کر سونے اور امی سے
باتیں کرنے کے علاوہ کسی دوسرے کام کو مشکل سے
مندی دل چاہتا۔

خالہ کے گھر کی شادی میں ہفتہ بھر رہ گیا تھا۔ امی
بے دلی سے تیاری میں مصروف تھیں۔ انہوں نے
اس سے ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ بھی اپنے کپڑے وغیرہ
بنالے شاید ان کا ارادہ اسے لے جانے کا ہی نہیں
تھا۔

بیلہ کا خیال تھا کہ اسے جانا چاہیے اس کے نہ
جانے سے بہت سے لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ وہ وہاں
سے غمزہ ہے اور یوں انہیں خوش ہونے کا موقع مل
جاسو مخالفین کو متوقع خوشی سے محروم رکھنے کے لیے
اس نے مینا کی شادی میں شرکت کا پروپرا پروگرام بنایا۔

کپڑوں کا جائزہ لیا تو سخت مایوسی ہوئی۔ یونیورسٹی
آنے جانے کے حساب سے تو اس کے پاس پھر بھی چند
ایک سوٹ تھے، شادی میں شرکت کے لیے ایک
بھی ڈھنگ کا جوڑا نہیں تھا۔

”اب کیا کیا جائے؟“

یہ سوچ خاصی سر دکھانے والی تھی بیلہ کو تو یاد بھی
نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کب سے کسی شادی میں

شرکت نہیں کی تھی، شاید بچپن میں شوق شوق میں
امی کے ساتھ کبھی عزیز رشتہ داروں کے ہاں شریک ہو
گئی ہوگی ورنہ نويس سے میٹرک اور پھر کالج میں آتے
آتے وہ خود کو بے حد محدود کر چکی تھی، امی خود ہی ناکی
امی اور ان کی فیملی کے ساتھ جہاں جانا ضروری ہوتا
چلی جاتیں۔

اس نے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی تھی، اس لیے
اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ امی تک اپنی بجزوری
کیسے پہنچائی جائے؟ انہوں نے خود ہی بھانپ لیا۔

”تم کیا کرو گی وہاں جا کر؟ بے کار میں پریشان ہونا!
آپا کا سارا سوال ہو گا، تم تو کسی سے واقف بھی نہیں
ہو! امی نے ایک بار پھر اسے باز رکھنا چاہا۔

اس سے پہلے وہ بیلہ کو ڈرائی رہتی تھیں کہ اس کا
صفیہ خالہ کے ہاں جانے سے امتحان کرنا ان کے لیے
کس قدر دکھ کا باعث بنتا ہے۔

بیلہ کو انہیں ان ہی کی بات یاد دلانا کہ شرمندہ کرنا
ہرگز بھی منظور نہیں تھا اس لیے مسکراتے ہوئے بولی
”یہی ہے امی! بس دل چاہ رہا ہے اگر آپ کی مرضی ہو
تو۔“

یوں اپنے اوپر سارا بوجھ آتے دیکھ کر امی سے رہا نہ
گیا، کتنے عرصے کے بعد تو اس نے کسی خواہش کا
اظہار کیا تھا اور اس نے بھری لڑکیاں اپنی بولتی لنتی بولی
لگا کرتی تھیں اور ایک ان کی بیٹی تھی خاموش، ہنسے
والی بات پر بھی مسکراتے سے کام نکالنے والی، اور
مسکراتا بھی وہ امیر سے دوستی کے زمانے میں کیکھ پائی
تھی ورنہ یوں ہی ہر ایک سے خفا تھا دکھائی دیتی۔

”اپنے لیے کوئی کپڑے بنا لو پھر۔“ بیلہ کے ہاتھوں
میں انہوں نے میسے پکڑائے ”امیر کے ساتھ جا کر لے
آؤ آج ہی لے آؤ، دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔“

دن واقعی کم ہی رہ گئے تھے بیلہ کو اس معاملے میں
فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، خود اسے حالانکہ
تجربہ نہیں تھا پر امیر کو ایسی ہنگامی صورت حال سے
نپٹنے اکثر دکھایا تھا، سو اسے فون کیا۔

امیر گھر پر ہی تھی، حسب توقع سارے مسئلے کو

چٹکیوں میں حل کرنے کے واسطے کے ساتھ ساتھ
اس نے فوراً ”چلی آؤ گی تاکہ امی۔“

امی سے کہہ کر وہ گیٹ سے نکل ہی رہی تھی کہ آیا
ابا بھی باہر جاتے دکھائی دے۔

”چلو بیٹھ جاؤ، میں پھوڑا رہا ہوں۔“ اس کا پروگرام
جان کر وہ اس سے کہنے لگے۔

امیر کا گھر دور نہیں تھا۔ ان ہی کے بلاک میں چند
گلی آگے تھا اور بیلہ اکثر وہاں پیدل ہی چلی جایا کرتی
تھی۔ اس وقت بھی اسے آیا ابا کی مہمانی کی خاص
ضرورت نہیں تھی۔

”میں چلی جاؤں گی آیا ابا، قریب ہی تو ہے۔“ جب
اتنی دور دور چل کر وہ اپنی نا نگیں توڑتی ہے اس وقت
کسی کو خیال نہیں آتا۔ بیلہ نے سوچا اپنی شکایتیں
اسے ہمیشہ صحیح موقع پر یاد آتیا کرتی تھیں۔

”آیا ابا اصرار کرتے لگے۔“
”بیٹھ جاؤ، اب ایسا بھی کیا تکلف۔“ قریب کھڑی
تائی امی کی پیشانی پر پڑتے بل نظر آ رہے تھے وہ مزید
بحث سے بچنے کے لیے بیٹھ گئی۔ تائی امی بھی ساتھ
تھیں۔

آیا ابا کی بہ نسبت وہ خاصی دلی دہائی پرستانہ کی
مالک تھیں، اس بات کا خود انہیں بھی شدت سے
احساس تھا اسی لیے ان کے ساتھ کہیں جاتے ہوئے
وہ بڑے اہتمام سے کام لیتیں۔ اس وقت بھی بریزے
کی پچکن کے ساتھ نازک سی جیولری پہن کر انہوں
نے خود کو گریس فل ثابت کرنے کی پوری کوشش کی
تھی، مگر افسوس کہ ان کا بے حد بھاری بھر کم جووان کی
اس طرح کی ساری کوششوں کو ہمیشہ ہی ناکام کر دیا کرتا
تھا۔ تائی امی نے یہ مختصر ماسٹر خاموشی سے کاٹا۔

بیلہ جانتی تھی کہ انہیں اس کا ساتھ بیٹھنا اچھا
نہیں لگا تھا وہ ایسی ہی تھیں، بے حد چھوٹے دل کی
مالک، بیلہ انہیں بچپن کی حدود پار کرتے کرتے سمجھ
چکی تھی۔

بچپن میں جب وہ بقیہ گھر والوں کے ساتھ کھلتے
ملنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی اس وقت وہ بہت سی

باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھی، ٹی وی دیکھنے کے بہانے
شازنہ اور آصف کے ساتھ بیٹھنا، اسکول جاتے وقت نیا
پاہرے کسی بھی پروگرام میں اس کی شمولیت، سب ہی
کچھ تائی امی کی برواشت سے باہر ہوتا تھا اور پھر وہ
کچھ اس صفائی سے بیلہ کا پتہ کانٹتے کہ اسے خود بھی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ان معاملات میں ان کی
مہارت غصہ کی بھی ہمیشہ وہی ہوا جو انہوں نے چاہا،
بیلہ نے بھی خود کو ان کی پسند کے مطابق ڈھال لیا۔ گھر
اور گھر والوں سے اس کی وابستگی نہ ہونے کے برابر ہی
رہ گئی، پر اب مشکل یہ تھی کہ تائی امی کو اس کی یہ بے
نیازی سراسر خود سری اور بد تمیزی محسوس ہوتی تھی۔

امیر وغیرہ کی رہائش گھر کے اوپر ہی تھے میں تھی۔
خفیہ منزل انہوں نے کرائے پر دے رکھی تھی امیر کے
والد سرکاری ملازم تھے، اور یہ گھر انہیں اپنے والد یعنی
امیر کے دادا کی طرف سے ملا تھا۔

بیلہ یہ طرحیاں بڑھ کر اوپر پہنچی تو امیر ہتھکڑی تھی۔
”کچھ چائے“ وائے پیو کی ٹیابس چل دیں۔“
”نہیں ابھی کچھ نہیں۔“ بیلہ منع کرتی ہوئی پچکن کی
طرف چلی گئی، امیر کی امی وہیں تھیں۔

بیلہ کو وہ بے حد اچھی لگتی تھیں، شفیق مہمان، بلکہ
وہی کیا امیر کے ابو بھی ان ہی عادات کے حامل تھے ان
کے گھر کی فضا میں چار سو پھیلا سکون آنے والوں کو
متاثر کیے بغیر نہیں رہتا تھا۔ بیلہ نے بار بار اس گھر کا
موازنہ کیا ابا کے گھر سے کیا تھا۔ جہاں گھر کے انیسویں
پر توجہ دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ امیر
کے گھر میں اس چمک دمک کا سواں حصہ بھی نظر نہیں
آتا تھا مگر پھر بھی اس کی خوب صورتی ایک مکمل تاثر
دیتی تھی۔ گھر یقیناً ”اپنے کمینوں کی شخصیت کے آئینہ
دار ہوتے ہیں۔“ بیلہ نے اس بات کی حقیقت کو جان لیا
تھا۔

امیر کی امی اصرار کرنے لگیں کہ وہ واپسی میں کھانا
ان ہی کی طرف کھا کر جائے ”مرغ چھوٹے اور کباب
بنا رہی ہوں، اگر تم نے نہیں کھائے تو میں ناراض ہو
جاؤں گی۔“ وہ بہت خلوص برتی تھیں۔

”کیسے نہیں کھائے گی! میں کان سے پکڑ کر سیدھا پیس لے آؤں گی۔“ امبر نے بھی ان کی بات سن لی تھی اس لیے فوراً تسلی دی۔

بیلہ کے پاس اب کہنے کے لیے کیا تھا، سو مسکرا کر چپ رہی۔

”بیلہ!“ امبر کو ایک دم ہی کچھ خیال آیا۔

”ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ تم میرے کپڑوں میں سے کوئی دو چار سوٹ اچھے سے نکال لو، شادی میں پہننے کے لیے۔“ اس اچانک تجویز پر وہ کڑبڑا سی گئی، سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کس طرح امبر کو منع کرے جو اسے برا بھی نہیں لگے۔

”وہ ایسا ہے کہ۔“

”کیا ایسا ویسا ہے جس میں کہہ رہی ہوں، وہی کرو، چلو نکالو میری الماری میں سے کپڑے، بلکہ تم کیا نکالو گی میں خود ہی سلیکٹ کرتی ہوں۔“

”بات تو سنو امبر! ایسا ہے کہ ابھی تو میرے ساتھ چلو، دیکھو نا اسی ہمارے سہی کچھ کپڑے ہی بنا لوں گی، ورنہ پھر وہ جائیں گے۔“ بیلہ بڑی مشکل سے بات بناتی۔

امبر کے دماغ میں جو بات آجاتی تھی اسے نکالنا پھر اتنا آسان نہیں ہوتا تھا، اس وقت بھی بڑی مشکل سے وہ اس شرط پر راضی ہوئی کہ اس کے کپڑے لے کر ضرور جائے گی بیلہ کو ماننا پڑا۔

”اچھا بابا ماں لی تمہاری ہر بات پر اب تو چلو بازار۔“

”چلو!“ امبر اٹھ کھڑی ہوئی۔

بازار میں گھومتے ہوئے امبر کو کئی اہم خبریں یاد آتی رہیں، جو ان دنوں ملاقات نہ ہونے کے سبب وہ بیلہ کو سنائیں پائی تھی، اور ان میں سب سے اچھی خبر یہ تھی اس کے ابو نے اپنے کسی دوست سے بات کر لی تھی جو اپنی فرم میں ان دنوں کو بخوشی ملازمت دینے کے لیے آمادہ تھے۔

”یعنی رزلٹ سے پہلے ہی!“ بیلہ کو خوشی کے مارے یقین ہی نہیں آیا۔

”ہاں تو رزلٹ بھی آئی جائے گا اور ہم کون سے ایسے تالافق اسٹوڈنٹ ہیں جو تم یوں حیرت کا اظہار کر رہی ہو۔“

پھر بھی امبر ڈرامہ سوچو تو۔۔۔

”اب جو بھی سوچتا ہے، گھر چل کر سوچتا، یہاں راستے میں جم کر کھڑی مت ہو جاؤ۔“

بیلہ بے حد خوش تھی، اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی خواہش اس کی برسوں کی تھی، حالانکہ مالی طور پر اسے بھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، تایا بابا نے اسے اچھے سے اچھے اسکول و کالج میں بڑھایا تھا اور بھی اگر وہ کسی چیز کی خواہش کرتی تو یقیناً حاصل کر سکتی تھی، پر غیریت کے جس گہرے احساس نے اس کے دل میں بسیرا کر لیا تھا اس نے کبھی کھل کر خوش ہونے ہی نہیں دیا تھا۔

”اے! تم دونوں کہاں گھوم رہی ہو، بھئی۔“

شاہنگ سیٹھ کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے بہت مانوس آواز پر وہ دونوں ہی چونکیں۔ سامنے یاور کھڑا تھا۔

”یہ بھی کوئی خواتین کو پکارنے کا انداز ہے،“ اے او۔“ امبر اس کے قریب پہنچتے ہوئے بولی، ”اور تم میرا خیال ہے کہ اپنے آپ کے علاوہ ہر جگہ پائے جاتے ہو۔“

”آفس کی مجھ سے زیادہ فکر کرنے والے ماشاء اللہ دو لوگ اور بھی ہیں، بابا اور آذر بھائی۔“

”اور تمہاری فکر کرنے والا“ بیلہ بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھی۔

”اگر آذر دوست کرو اپنی، میری فکر کرنے والا نہیں، بلکہ فکر کرنے والی ہو گی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کہاں ہے؟ کیسے ہے؟ اور۔۔۔“

”بس بس!“ بیلہ جانتی تھی کہ اسے اگر نہ روکا گیا تو وہ بات کو نہیں سے نہیں پہنچا دے گا۔

وہ دونوں اپنا کام مکمل کر چکی تھیں اور اب گھر جانے کی فکر میں تھیں۔

”چلو اب ہم لوگوں کو ذرا گھر تک پہنچا دو۔“ امبر

ہونے والی بھابھی کے ساتھ سگی بیچا زاد ہونے کا بھی حق جتاتی تھی۔

”ویسے تم اس وقت یہاں کرنے کیا آئے تھے؟“

”شاہنگ سیٹھ میں کیا کرنے کے لیے آیا جاتا ہے؟“ یاور گاڑی کو بیک کر کے نکالنے لگا، ”امبر اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی اور بیلہ پیچھے بیٹھی تھی۔

امبر اسے صحیح طور پر ریٹ کرنا جانتی تھی اس لیے کئی باتوں کو ان سنی کر جاتی، سامنے ڈیش بورڈ پر رکھا ایک چھوٹا سا پیکٹ اسے نظر آیا تو اسے اٹھا کر کھولتے ہوئے بولی، ”چھاتو یہ شاہنگ ہوئی ہے، ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔“

”ارے کھلو مت! امبر بابا!“ اس کے احتیاج کی پروا کیے بغیر امبر نہ صرف کھول کر اطمینان سے دیکھ کر کھلی تھی بلکہ مزید معائنہ کے لیے پچھلی سیٹ پر بیلہ کو بھی پیکٹ پکڑا دیا تھا۔

ایک بے حد خوب صورت اور نازک سا برسلیٹ تھا، جو یقیناً قیمتی بھی ہو گا۔

”بہت غلط بات ہے، تم لوگوں کو تو مینو زچھو کر بھی نہیں گزر رہے ہیں۔“ یاور ناراض ہونے لگا۔

”پر تم نے یہ کیا کس کے لیے ہے، کہیں مجھے تو گفت نہیں کر رہے ہو۔“ امبر نے اس کی کھلی پروا بھی تو جو دینے بغیر انکو انری شروع کی۔

”ارے بابا ایک دوست کی شادی ہے، اس کو گفت دینا ہے۔“

”کون سا دوست، تمہارے سب بی دوستوں کو تو ہم لوگ جانتے ہی ہیں۔“ امبر کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

”آفس میں کام کرتا ہے، تم لوگ نہیں ملی ہو۔“

پچھلی سیٹ پر بیٹھی بیلہ خاموشی سے یہ بحث سن رہی تھی، ”جائے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یاور ان لوگوں سے جھوٹ بول رہا ہے اور یہ بات خاصی حیرت انگیز تھی۔

ان لوگوں کو اتار کر بھی وہ زیادہ نہیں رکھا، بس امبر کی اسی سے دعا سلام کر کے واپس چلا گیا۔ آج پہلی بار وہ

اتنی جلدی میں محسوس ہو رہا تھا۔

بیلہ نے چاہا بھی کہ امبر سے یاور کے ممکنہ جھوٹ کے بارے میں کچھ ڈسکشن کرے، پر امبر نے اس کے کپڑوں کے مسئلے میں خود کو پوری طرح انولویو کر لیا تھا اور اب وہ کسی اور بات کو سننے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی، لائے ہوئے کپڑوں کی سلائی سے لے کر اپنی وارڈ روب، میں سے سلیکشن سب کچھ اسے آج ہی حل کر ڈالنا تھا، سوبیلہ بھی کچھ کہنے سے باز رہی۔

ہاں! اتنا ضرور ہوا کہ ایک مصروف دن گزارنے کے بعد جب کہ اپنی دانست میں وہ اپنے اہم مسائل سلجھانے میں نوے فی صد کامیاب رہی تھی، رات کو دیر تک یاور کے بارے میں سوچنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکی۔

ایک نامعلوم سی تبدیلی جو آج محسوس ہوئی تھی، دل کے لیے قدرے اہم ٹہری تھی، وہ نازک سا برسلیٹ بار بار نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا، جسے نہ جانے کس کلائی کی زینت بننا تھا۔

خیال کی پرواز کو بھلا کون روک سکا ہے؟ وہ بھی ان گنت قیامتوں کی رہی، جن میں کوئی بھی خوش کن نہیں کہا جاسکتا تھا۔

”حد سے بھی بڑھتی ہے، پہلے ہی پورے کی پورے کیا کچھ کم ہے جو مزید انجمنیں جمع کی جائیں۔“

کافی دیر تک پریشان ہو لینے کے بعد، اس نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے رضائی میں من چھپا لیا۔

بہت سال پہلے جب یاور کے والد بھی بیلہ کے تیا ابا کے گھر سے چند گھر چھوڑ کر رہا کرتے تھے، ان ہی دنوں ان تینوں، یعنی بیلہ، یاور اور امبر کی دوستی کی شروعات ہوئی تھیں۔ یاور ان لوگوں سے چار پانچ سال بڑا تھا اور اسکول جا رہا تھا، جب اس کی اور امبر کی بیلہ سے دوستی ہوئی تھی، اور یہ دوستی اس تیزی سے گہری ہوئی چلی گئی کہ بیلہ کو آج تک اس پر حیرت ہوئی تھی۔

کچھ عرصے بعد جب امبر اور بیلہ یاور کے اسکول میں ہی داخل کرائی گئیں تو باقاعدہ اسی کی سرپرستی میں

چلی گئیں ان کے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے پر جان لی لکھائی غرض کہ اسکول سے متعلق سارے معلومات کا حساب کتاب وہی رکھنے لگا تھا اور آج تک دخل اندازی کی عادت اٹانے ہوئے تھا اب کچھ سال پہلے یاور کے والد اس گرائے کے گھر کو چھوڑ کر خاصے فاصلے پر اپنے ذاتی بنائے ہوئے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے، مصروفیات اور فاصلے دونوں ہی بڑھ چکے تھے۔ بیلہ اور امبر لڑکیاں ہونے کے سبب ایک دوسرے سے زیادہ قریب تھیں پر یاور بھی بہر حال اس شٹ کا تیسرا زاویہ تو تھا ہی۔

صفیہ خالہ کے گھر اس روز خالو کے کئے گئے جملے کا بہت برا مانا گیا تھا۔

صفیہ خالہ نے اپنی ناراضی چھپانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور اپنی بہن اور بیلہ کے رخصت ہوتے ہی وہ یہ قصہ لے بیٹھیں۔
”ضرورت کیا تھی اس قدر بے لگائی بات کرنے کی؟ کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ میں بیلہ کے لیے رفیعہ سے بات کر چکی ہوں۔“

”کیسی بات“ انہوں نے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی پر وہ بہت برے اور اکار ثابت ہوئے، ان کے زبردستی کے چہرے پر پھیلے بائزات، صفیہ کا پارہ اور چڑھا گئے تھے انہوں نے اور بھی بہت کچھ کہہ ڈالا خالو کو مطلبی اور لا لچی تک نہ بنا ڈالا۔

”ہاں“ ہوں میں لا لچی، خود غرض! اپنی ساری مصلحت اندیشی ایک طرف رکھ کر وہ اپنے اصلی روپ میں نظر آنے لگے ”ساری زندگی اپنی جان رگڑ کر بھی جو کچھ میں حاصل نہیں کر پایا، وہ سب اب میں اپنے بیٹے کے طفیل پا کر دکھاؤں گا“ اس کو پالا، بڑھایا لکھایا، کیا اس پر ہمارا پیسہ خرچ نہیں ہوا ہے، جسے اب ہم وصول کریں۔“

زندگی بھر میاں سے بری بھلی سننے کے باوجود بھی صفیہ کو ان سے اس قدر گری ہوئی ذہنیت کی توقع نہیں تھی لیکن اب جب وہ مکمل ہی گئے تھے تو سارے

تکلفات ایک طرف رہ گئے تھے۔

”بچپن میں تو میں نے اس خیال سے مخالفت نہیں کی تھی کہ اس وقت بیلہ کا باپ زندہ تھا، وہ دونوں بھی اچھی پوزیشن والے دھتے تھے، ان لوگوں کے ساتھ ہمارا بچہ بھی اچھی طرح سیٹ ہو سکتا تھا۔ مگر اب۔“ وہ سانس لینے کو ذرا رکے۔
جملہ افراد خانہ ان ہی کی طرف متوجہ تھے، پر ان میں سکندر نہیں تھا۔ وہ اب تک باہر سے نہیں آیا تھا۔

”اب تو مدت سے تیری بہن خود چٹھہ کے رحم و کرم پر بڑی ہے، ایسے میں یہ رشتہ جوڑنے کی غلطی مجھے ہرگز ہرگز نہیں کرنی ہے۔“
ان کے انداز میں بلا کی سختی تھی صفیہ کو خاموش ہو جانا پڑا اپنے شوہر کی عادت وہ اچھی طرح جانتی تھیں جس بات پر وہ لڑ جاتے تھے وہاں سے انہیں ہلاتا ممکن ہی ہو اگر تھا تو انہوں نے بھی اس دن سے لے کر اب تک جبکہ بیٹا کی شادی میں کچھ ہی دن رہ گئے تھے اس ذکر کو وہ یاد چھینا ہی نہیں تھا۔

انہیں اصل تقویت سکندر کی وجہ سے تھی، وہ بیلہ کو بے حد پسند کرتا تھا یہ بات وہ کبھی چھپی نہیں تھی اس دن بھی بہن بھائیوں کی بیانی ”ابا کے خیالات سے آگاہی کے بعد وہ بے حد بڑا تھا۔“

”اب فوراً“ جاکر خالہ سے معذرت کریں، معلوم نہیں ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔“ وہ بار بار ماں سے کہتا، مگر انہوں نے اس سارے مسئلے کو بیٹا کی شادی کے بعد کے لیے اٹھا رکھا تھا، ابھی وہ اس بڑے کام سے فارغ ہونا چاہ رہی تھیں، اپنے شوہر کو ان دنوں ضد دلانا مفاد میں نہیں تھا، شادی کے سلسلے میں کیے جانے والے سارے جائز و ناجائز خرچے پورے کرنے کے لیے بار بار پر فم کی ضرورت پڑ رہی تھی اور اس رقم کا بڑا حصہ ان ہی کی طرف سے موصول ہو رہا تھا۔ بیلہ کا کیا تھا؟ وہ کون سا نہیں بھانگی جا رہی تھی۔

♥ ♥ ♥ ♥

دن اب کچھ کچھ گرم ہو چلے تھے۔

بدلتے موسموں کے زمانے میں جو فخر و شہادت محسوس ہوتی ہے وہی کیفیت آج کل بھی تھی۔

بیلہ نے پیکل پر پیکلی تمام فائلیں ترتیب سے رکھ کر گری سانس لینے ہوئے نگاہ اوپر اٹھائی تو امبر کو ہنوز سوا لہ نگاہوں سے خود کو دیکھتے پایا۔

”ایسے کیوں دیکھتے جا رہی ہو۔“

”اس لیے کہ مجھے اپنے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا ہے۔“ امبر نے اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے جمائے کہا۔

”کیا جواب دلوں؟“ وہ دراز کھول کر جانے کیا ڈھونڈنے لگی۔ ”تمہیں تو وہم ہو گیا ہے اور وہم کا علاج کسی کے بھی پاس نہیں ہو سکتا۔“

”مجھے وہم نہیں ہے، میں جانتی ہوں کہ میری اپنی بے کار کی مصروفیت ختم کر کے ذرا سیدھی ہو کر بیٹھوں۔“ امبر بالکل بھی اسے بحثے کے موڈ میں نہیں ہے، بیلہ کو اس بات کا یقین تو آچکا تھا۔ یہ مشکل یہ تھی کہ وہ خود کو کسی بھی جواب دہی کے لیے تیار نہیں پا رہی تھی۔

وہ دونوں اپنا کام ختم کر چکی تھیں۔ صدیقی صاحب کی یہ فرم جو ان کے امیں قریباً دو ہفتہ تو ہو رہی تھی، ”دوستانہ ماحول والے اس آفس میں اپنے کام کو وہ لوگ سمجھتا“ زیادہ انجوائے کر رہی ہوئیں، اگر امبر نے ایک ذرا سی بات کو لے کر اس کا اور اپنا سکون برپا نہ کیا ہوا ہوتا۔

”ابھی کل تک تو تم سکندر سے چچا چھوٹ جانے پر شکر کا کلمہ پڑھ رہی تھیں۔ پھر یہ اب اس قدر گہری آوازی کیوں چھائی رہنے لگی ہے تم پر کہیں تمہیں بھی کوئی ملال۔“

”شٹ اپ!“ بیلہ نے جھنجھلا کر اس کی بات کاٹی ”کوئی اداسی وہاں نہیں ہے مجھ پر اور یہ سکندر صاحب سے ابھی مکمل چچا نہیں چھوٹا ہے، تمہیں بتا بھی چکی ہوں کہ آج کل وہ بیٹا کی شادی میں مسلسل اپنے ابا کی باتوں پر معذرت کیے جا رہے ہیں۔“

”وہ دوسری بات ہے، بہر حال اب یہ قصہ تو ختم ہی

بجھو اور میں جو بات نہیں جان پا رہی ہوں، براہ کرم ٹھیک ٹھیک بتا دو۔“

”میں دس بار تمہاری بات کا جواب دے چکی ہوں۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ امبر نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا۔ ”یعنی اب تم مجھ سے بالکل غیروں والا برتاؤ شروع کر چکی ہو، کمال ہے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔“ وہ ایک پھینکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیلہ کے لیے اس کا یہ روپ خاصا بوکھلا دینے والا تھا، امبر کی جھولی مولی فٹکی ہی جان عذاب میں کر دینے والی ہوتی تھی، سوا ب عافیت اسی میں تھی کہ معاملے کو زیادہ کبیر ہونے سے بچایا جائے۔

”امبر! امبر! پلےز سنو تو۔“ اپنا بیگ اور فائل بشکل سنبھالے ہوئے بیلہ نے اسے سیرپھوں پر ہی چاہا۔ ”کیا ہے؟“ امبر کی نہیں تھی، بس اپنی رفتار ہلکی کر لی تھی، بیلہ بھی اس کے ساتھ ساتھ سیرپھیاں اترنے لگی۔

”اس طرح ناراض ہو کر تو مت جاؤ پلےز! تمہاری فٹکی مجھے کتنا پریشان کرتی ہے، تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔“
”ہا! اور تم جو یہ غم و اندوہ کی تصویر بنی گھوم رہی ہو، اسے دیکھ کر تو مجھے دلی مسرت ہو رہی ہے نا!“ وہ واقعی بے حد ناراض تھی۔ بیلہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

”اچھا اگر میں یہ کہوں کہ تمہارا اندازہ واقعی درست ہے۔“ امبر ایک دم ہی شہرگی اس کی آنکھوں میں بہت سارے سوال تھے۔ بیلہ گردن موڑ کر سامنے سے گزرتے ہوئے ٹریفک کو دیکھنے لگی۔

”اس سے زیادہ کچھ مت پوچھنا“ میں بتا نہیں سکوں گی۔“ وہ ہلکے سے ہنسنے لگی۔

”نہیں پوچھتی، خوش!“ امبر نے محبت سے اسے دیکھا۔ ”میں خود ہی معلوم کر لوں گی، لیکن اتنا ضروری یاد رکھنا کہ میں ہر مل تمہارے ساتھ ہوں۔“

بیلہ مسکرا دی۔ امبر کا ہر ہر انداز اس کی محبت کی

دلیل ہوتا تھا۔

امبر کے ابو آج کل اسلام آباد گئے ہوئے تھے سو وہ مزے سے ان کی گاڑی استعمال کر رہی تھی۔

”کیا خیال ہے“ ذرا تایا باکی طرف نہ چلیں، سنا ہے وہاں ایک کمال کی چیز آئی ہوئی ہے۔“ امبر نے ذرا نیونک سیٹ سنبھالتے ہوئے اچانک سی تجویز پیش کی۔ تو بیلہ کچھ کنفیوزی ہونے لگی۔

یاد رکھ کے ہاں جانا اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی، اگر دل پر وہی پہلے والی بے نیازی طاری ہوتی تو وہ یقیناً ”اس کمال کی چیز کو دیکھنے کے شوق میں فوراً“ ہی چل پڑتی، مگر اب وہ جس عالم سے گزر رہی تھی، اس میں یاد رکھنا کہ ذرا تو کیا خیال ہی دل کو بے حد حساس کیے دیتا تھا۔

”تم چلی جاؤ امبر! میں رکشہ کر کے گھر چلی جاتی ہوں“ ای انتہا کر رہی ہوں گی۔“ وہ جانتا نہیں چاہ رہی تھی، مگر امبر کے سامنے ہر مزاحمت بے اثر ہوتی تھی، ہوتا وہی تھا۔ جو وہ چاہتی تھی۔ اس کی تمام دلیلیں آرام سے رد کرتی ہوئی وہ گاڑی کو یاد رکھ کر گھر جانے والے راستہ پر ڈال چکی تھی۔

”گھنٹہ دو گھنٹہ کے بات ہے“ اتنی کو وہاں سے فون کر دیتا، تائی امی کتنے دن سے بیمار ہیں۔ تم انہیں پوچھنے بھی نہیں گئی ہو۔“ اس نے گویا بیلہ کو شرم دلانی۔

امبر کی باتوں میں راستہ گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا، جب تک گاڑی یاد رکھ کے گیٹ پر رکی، تب تک بیلہ تمہینہ کے متعلق بہت کچھ جان چکی تھی۔ وہ یاد رکھ کر کسی کزن کی بیٹی تھی اور کئی سال بعد سقط سے کراچی بغرض سیاحت آئی تھی۔

”کراچی دیکھنا تو بھانا ہے، کسی اچھے رشتہ کی تلاش میں بھیجی گئی ہیں محترمہ، تائی امی جس طرح فون پر اس کے حسن کا قصیدہ پڑھ رہی تھیں، صاف لگ رہا تھا کہ باہر کی مجھ سے متعلق کر دینے کی جلد بازی پر بچھتا رہی ہیں۔“ امبر کے پاس سارے راستہ بس یہی موضوع تھا بیلہ کو اس کی بدگمانی پر نہی آئی۔

”اچھی طرح ہنس لو! تمہیں میری پریشانی سے کیا

سروکار ہے۔“

”باگل ہو تم، کس بات کا ڈر ہے تمہیں، یاد رکھنا تمہیں کتنا پسند کرتے ہیں اپنی مرضی سے انہوں نے تم سے مقفی کی ہے۔“ بیلہ کو سنجیدہ ہو کر اسے تسلی دینی پڑی، مگر وہ آسانی سے مطمئن ہونے والوں میں نہیں تھی، نفی میں سرہلاتے ہوئے اس پر فلسفیانہ موڈ طاری ہونے لگا۔

”مرد کی ذات پر بالکل بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، یہ وہ قوم ہے جو کبھی بھی آپ کو اپنا سراغ نہیں دے گی۔ ایک حسین لڑکی کو جو میں کتنے گھر میں موجودگی بہت کچھ بدل سکتی ہے۔“ پھر جیسے وہ خود ہی اپنی جون میں واپس آئی، ”خیر! وہاں یاد رکھنی تو ہے، جتنا چھانٹ اس کے لیے حالات زیادہ سازگار ہیں۔ تائی امی کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔ کیوں؟“

اس کیوں کا فوری جواب بیلہ کے پاس نہیں تھا، یاد رکھ کے لیے امبر کی ٹیک خواہشات کا اظہار اسے بری طرح بے چین کر گیا تھا، وہ بلا مقدمہ ہی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

اس کی یہ چند منٹ کی خاموشی، امبر نے یقیناً ”محسوس کی تھی، جب ہی کن ان کیوں سے اسے دیکھتے ہوئے خود بھی خاموش ہو رہی تھی۔

بیلہ کو اپنے سارے حلقہ زمین میں پھرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ ٹی وی لاؤنج میں عین سامنے صوفہ پر بیٹھی تمہینہ پر پسلی نگاہ ڈالتے ہی اس نے خود کو یاد کر لیا تھا کہ یہ لڑکی یاد رکھ کا دل چیتنے میں کامیاب ہو چکی ہوگی۔

اسکن کھر کے قیمتی لباس اور ڈائمنڈ کی نازک سی چوہری کے ساتھ، وہ امبر کی تائی امی کے الفاظ میں واقعی بلا کی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے سراپے میں ایک تمکنت تھی۔ اس گھر کے دیل ڈیکور مشعل لاؤنج میں وہ بالکل ٹھیک ٹھاک بیٹھ کر رہی تھی۔

امبر کی تائی امی خوش مزاج خاتون تھیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر کرکرجوشی سے ملیں پر اولت تمہینہ کے

تعارف کی تھی۔

”میرے ماموں زاد بھائی کی بیٹی ہے، خاص مجھ سے ملنے کے لیے کراچی آئی ہے، بس اسے دیکھ کر تو میں اپنی ساری بیماری بھول گئی ہوں، سارے گھر میں رونق سی پھیل گئی ہے۔“

”آج سے پہلے تو یہ ماموں زاد بھائی نامعلوم کہاں سو رہے تھے۔“ امبر نے بیلہ کے سرگوشی کی وہ دھیرے دھیرے بولے جا رہی تھی۔ بیلہ کو اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے مسکرا مسکرا کر یاد رکھنی کی باتیں سننی پڑ رہی تھیں، جو تمہینہ کی مدح سرائی میں مصروف تھیں۔

تمہینہ نے ان لوگوں کو زیادہ لفٹ نہیں کرائی تھی شاید وہ عادتاً ہی کم گو تھی یا پھر حدود پر مغرور بیلہ اتنی جلدی فیصلہ نہیں کر پاتی۔

”یاد رکھ رہی تھا نہیں جانے کے پروگرام سے وہ لاؤنج کی طرف آیا تو ان دونوں کو دیکھ کر حیران ہوا گیا۔“ اسے کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا، امبر کے ساتھ بیلہ بھی۔ ضرور امبر ہی کھینچ کر لائی ہوگی تمہیں شاباش، امبر! اس کارنامہ پر تو میں تمہیں ضرور کوئی انعام دوں گا۔“

امبر ابھی تک بلی جھنی سی تھی، یاد رکھ کی باتوں سے اس کا موڈ بھال ہونے لگا۔ ”سنا تھا کہ تم بہت مصروفیت میں گھرے ہوئے ہو، اسی لیے خیر خبر لینے چلے آئے۔“

”میری بابا پر بھائی کی!“ وہ اس کی چوٹ کو پا گیا تھا۔

”دونوں ہی کی“

یاد رہنے لگا، ”تمہینہ آپ ملیں امبر سے۔“ ایک دم ہی وہ اس کی طرف مڑا، ”ہماری ہونے والی بھانجی جان ہوتی ہیں یہ خیر سے۔“

تمہینہ جو پچھراہٹ بنی ایک طرف کوئی دیکھے جا رہی تھی اور فی الوقت اپنی اہمیت کم ہو جانے پر غلطی سی محسوس کر رہی تھی، بے اعتنائی سے بولی ”بھانجی، والی تو معلوم نہیں، اتنی تو یہ بتایا ہے کہ میرے دیور کی بیٹی ہیں۔“

یاد رکھ کی شکایت آمیز نگاہوں کو خود پر مرکوز بنا کر تائی امی جلدی سے بولیں، ”تو کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ باہر کی مٹکنی اپنے بچپن کے گھر ہوئی ہے، ایک ہی تو بچپن ان لوگوں کے۔“

تمہینہ نے کچھ جواب نہیں دیا، بس منہ بنا کر خاموش رہی۔

”تم کہیں جا رہے ہو؟“ امبر یاد سے پوچھنے لگی۔

”جا رہا تھا، اب تم لوگ آئی ہو تو کہیں نہیں جا رہا۔“

”ہم لوگ تو بس تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے تم اپنا پروگرام خراب مت کرو۔“

”تو بس، تھوڑی دیر بعد میں بھی چلا جاؤں گا۔“ اس نے لاہروائی سے ہاتھ ہلایا، ”بیلہ بی بی! آپ کیوں مراقبہ میں ہیں، آفس والے کیا زبان بھی وہیں رکھ لیتے ہیں۔“

بیلہ واقعی کسی سوچ میں تھی، یاد رکھ کے بول پکارنے پر وہ چونک سی گئی۔ ٹھیک سے اس کا جملہ سنا بھی نہیں، بس یونہی مسکرا دی۔

”یہ آج کل یونی گم رہتی ہیں، حالانکہ بے چارے خالو نے تو بہت بڑا احسان۔“ امبر کی بات بیلہ کے کھورے سر اوڑھوری ہی رہ گئی۔

بیلہ بیچ مخمل میں بیٹھ کر سکندر کا قصہ دہرا، بیلہ کو بالکل بھی منظور نہیں تھا، امبر کی بے وقوفی پر اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی چھائی تھی۔

یاد رکھ کی نظروں سے اس کی یہ کیفیت چھپی نہیں رہ سکی تھی، اس لیے اس نے بات پھٹنے میں دیر نہیں کی۔ اپنی امی کو چائے کی یاد دہانی کرا کے وہ بیلہ کو اپنی نئی خریدی گئی کتابوں کے بارے میں بتانے لگا۔

امبر نے تائی امی کو اٹھنے نہیں دیا تھا اور چائے کا کتنے خود چمن میں چلی گئی تھی۔

”کیا بات ہے بیلہ، اچھ پریشانی ہے کیا؟“ تائی امی کو تمہینہ کے ساتھ مصروف پکار اس نے بیلہ سے پوچھا تو بیلہ کا دل چاہا کہ سر پیٹ لے، ایک بے معنی سی قہر سر پر سوار کر کے گویا وہ خود سے وابستہ ہر شخص کو متوجہ

کیے دے رہی تھی، بل بھر میں ہی اس نے خود کو دل میں ڈھیر ساری ملامت کر ڈالی۔

پہلے امیر اور اب یہ یاد اور!
وہ تو شکر ہے کہ یاد اور امیر کی طرح جھٹ کرنے کا عادی نہیں تھا، ایک آدھ منٹ میں ہی مطمئن ہو گیا۔
امیر چائے لے آئی تھی، ٹرائی بے حد سلیقے کے ساتھ سیٹ کی گئی تھی۔

”آپ تو یہاں ابھی سے کام کرنے لگیں۔“ تمہینہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ امیر کو دیکھا، تو وہ اطمینان سے ایک کاپس کاٹتے ہوئے بولی ”آپ نے مجھے ابھی دیکھا ہے، میں تو بچپن سے ہی یہاں پائی جاتی ہوں۔“

پہلے کو ہنسی آگئی، ”امیر اپنا حساب فوراً چکاتی تھی، اور فی الوقت وہ بیلہ اور یاد اور کو بھول کر پوری طرح تمہینہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ خود کو برزور بھٹنے کی اس کی ساری کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے وہ ذرا ہی دیر میں اس کے متعلق ساری معلومات حاصل کر چکی تھی، اس کی تعلیم، مشاغل، پسند ناپسند، خاندان، ان سب کو اچھی طرح گھٹنگالنے کے بعد وہ بڑے معتبر انداز میں مشورہ دینے لگی۔

”تمہینہ! آپ نے بڑھائی کیوں اور چھوڑ دی؟ میرا تو خیال ہے کہ آپ یوں ادھر ادھر گھومتے ہیں وقت ضائع کرنے کے بجائے برا ہیوٹ مزہ ڈالیں، علم حاصل کرنے کے لیے کوئی عمر کی قید چھوڑی ہوتی ہے۔“

امیر کا کہا تمہینہ کے ساتھ تائی امی کو بھی برا لگا، سو تمہینہ کو جواب دینے کی زحمت سے بچاتے ہوئے انہوں نے ایک چھوٹی سی تقریر کر ڈالی، جس کا لب لباب یہ تھا کہ تمہینہ جیسی حسین لڑکیاں تو گھروں پر راج کرنے کے لیے ہوتی ہیں، کیا ہے اگر اسے بڑھائی یا گھر داری سے دلچسپی نہیں ہے، اللہ نے چاہا تو اس کے گھر میں دس نوکر ہوں گے اور یہ کہ زیادہ پڑھ لکھ جانے سے لڑکیوں کا رنگ روپ تباہ ہو جاتا ہے۔
”اور نہ پڑھ پانے سے دماغ اور اخلاق۔“ امیر نے

چپکے سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی، مزید رک کر وہ اپنی ہونے والی ساس سے تعلقات خراب نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

وہ دونوں باہر نکلنے لگیں تو انہیں یاد اور کی امی کی آواز سنائی دی، وہ یاد اور سے تمہینہ کو کہیں باہر لے جانے کے لیے کہہ رہی تھیں، اکیلا یاد اور ہی انہیں چھوڑنے باہر تک آیا تھا۔

”تم دونوں بھی رک جاتیں۔ تو اچھا تھا۔“
”ہمیں بالکل بھی فرصت نہیں ہے، تم اپنی مہمان کو اٹینڈ کرو۔“ امیر کے انداز میں خفگی سی تھی وہ فوراً ہی گاڑی بڑھالے گئی۔

”کس قدر فساد کی لڑکی ہے یہ تمہینہ! خدا کی پناہ! پتا ہے تائی امی سے میرے متعلق فرما رہی تھی کہ میں شادی سے پہلے کیوں سرسرا میں آئی جاتی ہوں، میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، اور یہ کہ میں باہر سے بھی ملتی جلتی رہتی ہوں گی اور یہ کہ۔۔۔“ امیر واقعی غصہ میں تھی۔

”چلو چھوڑو، تم نے بھی بہت کچھ کہہ لیا ہے۔“
پہلے نے اسے تسلی دینا چاہی، مگر اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

”تائی امی اس بلا کو یاد اور کے گلے باندھنے کا پورا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں، قریب چھپے پورا یقین ہو گیا ہے، اور اگر ایسا ہو گیا تو بیلہ لینا چار دن بعد ہی سر پکڑ کر روتا ہوا نظر آئے گا یاد اور۔“

”مگر ضروری تو نہیں کہ یاد اور بھی ان کا ہم خیال ہو۔ بیلہ کو اپنی آواز خود ہی انہی سی گئی شاید اس نے خود کو ہی تسلی دینی چاہی تھی۔

”ارے کیا خیال دیا! امیر نے تیزی سے موڑ کاٹا۔“ یہ سارے لڑکے ایک جیسے ہوتے ہیں، شادی کے معاملے میں ان کی ایک ہی مائدہ ساری باتوں پر حاوی رہتی ہے کہ ”جی بیوی خوب صورت ہو!“ ہونہ! چاہے اسے روئے کی بھی عقل نہ ہو۔ بیلہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

تمہینہ کے خوب صورت ہونے میں تو کوئی شبہ

نہیں تھا تو کیا وہ برہسلیٹ والی بھی ہے۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھرنے لگے حالانکہ یاد اور کی وہ خریداری تمہینہ کے آنے سے ایک دو روز پہلے کی تھی اس کے حسن کے چرچے تو یقیناً ”سن ہی رکھے ہوں گے“ آخر کزن ہے۔
وہ ابھی ابھی سی بیٹھی رہی۔

بینا کی شادی کا بنگامہ سرد ہو گیا تھا، سارے کام بخیر و خوبی انجام پائے تھے اور اس بخیر و خوبی انجام پانے کا سارا کریڈٹ خود لیتے ہوئے خالو آج کل اپنی واہ واہ میں مصروف پائے جاتے تھے، سچی بات تو یہ تھی کہ بینا کی شادی میں انہوں نے اپنی ساری تجویز ایک طرف رکھ کر دل بھول کر بیٹھے خیر کیا تھا۔ جتنا کہ جیہ شادی کے کھانے اور سرایوں کی آؤ بھگت، کسی بات میں بھی کسر نہیں رکھی تھی، سوا ب وہ اپنے گمن گانے میں حق بجانب تھے۔ اسی ترنگ میں وہ دانستہ یا نادانستہ سکندر کے مسئلہ کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔ وہ غریب بول بھلا یا بول بھلا یا پھر۔۔۔

”اماں! بابا سے کہیں نا، چل کر رفیعہ خالہ سے بات کر س، کتنے دن ہو گئے ہیں، آپ تو کہہ رہی تھیں کہ بینا کی شادی کے فوراً بعد ہی خالہ سے تارخ لے لیں گے۔“

صفیہ دن میں کئی بار بیٹے کے سوالوں کی زد میں آتیں، سبھی اس کی تسلی کے لیے کچھ بھی کہہ دیتیں، ورنہ بونہی ادھر ادھر ہو جاتیں، وہ اپنے میاں کی نیت سمجھ رہی تھیں، سکندر کے لیے لمبا ہاتھ مارنے کا ارادہ تو ان کا پہلے ہی سے تھا، اب اس ارادے میں اپنے حالیہ نقصان کو پورا کرنے کی فکر بھی شامل ہو گئی۔

”اس سارے خرچے کو ہزار گنا منافع کے ساتھ نہ وصول کیا تو نام بدل دیتا۔“ وہ تنہائی میں بیوی کے سامنے کئی بار اپنے اس پرانے عزم کو دہرا چکے تھے اور جواباً ”وہ ان کے لیے کوئی دوسرا نام ڈھونڈنے کے بجائے بیٹے کا دل ٹوٹنے کے غم میں ہو کر رہیں صفیہ کی جان حقیقتاً شکل میں تھی۔

بینا کی شادی میں بیلہ جیسی تیاری کے ساتھ شریک

ہوئی تھی، وہ سکندر کا قرار ٹوٹنے کے لیے کافی تھی۔ اچھی تو وہ سادہ سے طیلے میں بھی لگا کرتی تھی، مگر ان دنوں تو اس کی بات ہی کچھ اور تھی، لیوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ سیانے، سکندر کو تو وہ سارے جہاں سے منفرد کھائی دیتی تھی۔

اس کی بے چینی اب جھنجھلاہٹ میں تبدیل ہو رہی تھی، وہ بات بے بات وہ لڑنے کے بجائے ڈھونڈتا، بسن بھائی کی تو سارا دن ہی شامت آتی رہتی، گھر کے باہر میں بڑھتا ہوا کھنچاؤ، خالو سے چھپا ہوا نہیں تھا، پر ان کی بے نیازی کا وہی عالم تھا، صفیہ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب کسی بھی دن باپ بیٹے میں ایک تاریخی معرکہ ہونے کو ہے اور وہ دن ان کے لیے سومان روح ہونا تھا۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔
خالو ایک شام دکان سے واپس آئے تو بے حد پر جوش تھے، ان کا دایا دایا سا جوش، گھر میں داخل ہوتے ہی سب نے بھانپ لیا تھا۔

”بیلہ کے تیا کا فون آیا تھا دکان پر اس سٹیج کو اپنے آفس میں بلایا ہے مجھے، گیارہ بجے، انہوں نے کسی کو بھی سوال کرنے کی زحمت دیے بغیر یہ نئی اطلاع ہم پر چٹائی۔

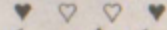
بلالو! معنی خیز تھا، ہر ایک اپنی رائے دیتا شروع ہو گیا، سکندر کے دل کو بھی ڈھارس بندھی، شاید بات کچھ سمجھنے جا رہی تھی۔

”وہ ہو کچھ بھی کہیں، آپ مان لیجئے گا، خدا کے لیے بات لگا کر نہیں آئے گا۔“ اسے اپار زیادہ بھروسا نہیں تھا اور اب وہ مزید کوئی رسک بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔

خالو کا اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، سٹیج کا دن آنے میں ابھی چار دن باقی تھے، اس وقفے میں وہ اچھی طرح سے سوچ بچار کر لینا چاہتے تھے تاکہ اس ملاقات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

”کسی سے ابھی اس بات کا تذکرہ مت کرو نا، بیلہ

کے تباہی سے سختی سے منع کیا ہے، کہیں تم جا کر بن کو سناؤ! انہوں نے بیوی کو تنبیہ کی، حالانکہ ان بے چاری نے کس سے کیا کتنا سنا تھا۔



تمینہ کے آنے کی خوشی میں یاور کی امی یارنی دے رہی تھیں اور یہ پروگرام انہوں نے بس اچانک ہی بنا لیا تھا۔ اتنے شارت نولس پر ہونے والے اس پروگرام میں وہ اپنے اور دونوں بیٹوں کے قریبی لوگوں کو مدعو کر رہی تھیں۔

امبر، تمینہ کو اس قدر اہمیت دے جانے پر سخت ناراض تھی، مگر معاملہ اس کی ہونے والی سسرال کا نہ ہوتا تو وہ اس یارنی میں شرکت کا سوچتی بھی نہیں پر اب مجبوری تھی بیلہ البتہ نہیں جانی تھی اور اس بار امبر کا زور بھی کچھ کام نہیں دکھا رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں ہے، بس میرا دل نہیں چاہ رہا ہے، اور کبھی بھی دل کی بات بھی مان لینی چاہیے۔ اس کا جواب سیدھا سادا تھا، لیکن امبر کو سیدھی بات کے بھی دسیوں زاویے ڈھونڈ نکالنے کی عادت تھی۔

”تمینہ سے گھبرا رہی ہو نا؟“ اس نے غور سے بیلہ کے چہرے کو دیکھا، ”حالانکہ گھبرانا اسے تم سے چاہیے، ہر لحاظ سے تم اس سے کہیں آگے ہو، ایک صرف شکل اچھی ہونے سے کیا ہوتا ہے، منہ کھولتی ہے تو ساری جمالت ظاہر ہونے لگتی ہے، تنگ دل، تنگ نظر۔“ امبر کا ان دونوں تمینہ سے بار بار سابقہ بڑبڑا تھا، وہ تائی امی اور یاور کے ساتھ ان کے گھر بھی آئی تھی، اس لیے وہ اس کے مزید اوصاف جانتی جاتی رہی تھی۔

”تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، مجھے کیا پڑی ہے اس سے گھبرانے کی یا مقابلہ کرنے کی۔“ امبر کی بات اسے کھینچ کر لگتی۔

”تمہیں نہیں ہوگی، ہمیں تو ہے! ایک تم ہی تو ہو میرے پاس اس کے مقابلے پر لانے کے لیے، ذرا سی ڈرنگ اور میک اپ پر توجہ دو تو تمینہ بیگم چہرہ کی کیا ہیں؟“ دل میں اٹھنے والے کسی خیال کے زیر اثر اس

کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

بیلہ ذرا سی گردن موڑے بیٹھی تھی، اس لیے اس کے تاثرات نہ دیکھ سکی، امبر کی بات کو بے حد بے تکا سمجھنے کے باوجود بھی اس نے کوئی سخت جواب نہیں دیا، بس بیڑا کر رہ گئی۔ دراصل وہ اس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی اس میں بار بار یاور کا ذکر آنے کا پورا امکان تھا اور سچی بات یہ تھی کہ یہ نام ابل کو اداس کرنے لگا تھا۔

خلاف توقع امبر بھی جلدی اٹھ گئی، اس کے جانے کے بعد وہ یونہی تائی ابا کی طرف چلی آئی، خیال تھا کہ ان سے چند منٹ مل کر واپس آجائے گی، پتا چلا کہ وہ آج ابھی تک گھر نہیں آئے ہیں، کاروباری مصروفیت میں گھر کو وہ اکثر ہی لیٹ ہو جایا کرتے تھے۔

”تائی ابا کو تو آرام کے لیے بالکل ہی وقت نہیں مل پاتا۔“ نہ جانے کیسے اس کے منہ سے نکل گیا اور وہ ان لوگوں کے معمولات پر بالکل بھی مبصوم نہیں کرتی تھی۔

”تائی امی کو پرالگ کیا؟“ وہ آصف کو اپنے پرس میں سے چند بڑے نوٹ نکال کر پکڑا رہی تھیں، ”سارا آرام پیسے سے ہے، پیسہ کمار ہے، ہیں تو خیر سے آرام سے ہی ہیں، اگر کئی چیز آفس میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں، انہیں دھوپ میں کھڑے ہو کر مزوری تو نہیں کر رہے ہیں۔“

ان کی زبان سے خیر کے کلمات کم نکلتے ہیں، یہ عادت جانتے ہوئے بھی بیلہ اپنے بول بڑے پر ستر منہ سی ہو گئی، وہ کچھ اور بھی کہتی مگر انہیں آصف کی طرف متوجہ ہونا پڑا وہ مزید پیسوں کا مطالبہ کر رہا تھا۔

تائی امی اور ان کے بچے شاہ خرچ تھے، خاص طور پر آصف، وہ پچھلے کئی سال سے یونیورسٹی میں انکا ہوا تھا نہ جانے کون سی ڈگری تھی، جو حاصل ہو کے ہی نہیں دیتی تھی۔ وہ سارا سارا دن گھر سے غائب رہتا، آفس جا کر بزنس کی ذمہ داری کو شیر کرنے کی توفیق اسے نہیں ہو پائی۔ چند ایک بار تائی ابا کے احساس دلانے پر اس سے زیادہ تائی امی نے برا مانا تھا۔ ”بچہ ہے، سمجھ

جائے گا آہستہ آہستہ، آخر اسے ہی سنبھالنا ہے سب کچھ۔“ وہ اس کی بے جا حمایت کرنے میں ہمیشہ آگے رہتیں۔ اس وقت بھی انہوں نے ذرا سا اعتراض کیلئے بغیر اس کی فرمائش کو پورا کیا۔

آپا بیگم بھی قریب ہی بیٹھی تھیں۔ بیلہ نے محسوس کیا کہ آصف کی جانب دیکھتے ہوئے ان کے چہرے کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔ تائی امی آصف کے پیچھے کچھ کہتی ہوئی باہر چلی گئیں تو وہ فوراً ہی بیلہ سے مخاطب ہوئیں۔

”دو کوڑی کا کر کے رکھا ہوا ہے لڑکے کو، دیکھنا باپ کا سارا پیسہ اسی کے ہاتھوں ڈوبے گا، ذرا جو اس میں محتیا زبہ داری کا جذبہ ہو۔“

بیلہ خاموش ہی رہی، ان دونوں بہنوں کے درمیان چلنے والی سیاست بھی عجیب ہی تھی، ایک دوسرے کا لاکھ دم بھرنے کے باوجود دونوں ہی کی نگاہ اپنے اپنے مفاد پر رہتی تھی۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو آپا بیگم کو صاف خالہ یاد آگئیں۔

”تمہاری خالہ نہیں آئیں، بہت دن سے۔“

”جی،“ وہ اور کیا کہتی۔

”با۔“ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

بیلہ ہنسنے لگی رہی کہ وہ مزید کچھ فرمائیں تو سن کر باہر جائے، مگر وہ قریب بڑا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگیں، انہیں جو جتنا تھا، جتنا دیا تھا۔

بیلہ باہر چلی آئی، آج کل اسے اپنے علاوہ ہر ایک پر رشک آتا تھا۔

کی طرف سے آپا ان کا نام جانے دو، روپیہ پیسہ پاتے ہیں اسی طرح سے ان کی خوش نصیبی بھی آپا کے حصے میں آتی ہے اور پھر ساری زندگی یہ خوشی کسی فرمانبردار لونڈی کی طرح ہاتھ باندھے آپ کے پیچھے پیچھے چلتی رہتی ہے، اور کچھ مجھ جیسے بے چارے، پچھلی جانب کے باغ میں اترتی میزبوں پر بیٹھ کر وہ دیر تک بساط بھر تجزیہ کرتی رہی، جو ابتدا ہی سے ماں باپ کی آزمائشوں میں خصہ دار بنادیتے جاتے ہیں اور پھر یہ آزمائش یقیناً ”ساری زندگی ہی چلتی ہوئی سوا لیے میں دل میں کسی تمنا کو پالنے سے بڑی حماقت اور کیا ہو گی۔“ اب چونکہ وہ یہ حماقت کر رہی بیٹھی تھی تو اس کے ازالے کے لیے کچھ کرنا بھی ضروری تھا اور۔

یاور کے گھر یارنی کے بائیکاٹ کا فیصلہ ایسا ہی کچھ کرنے کا حصہ تھا۔

”اس کی بلا سے وہاں کچھ بھی ہوتا رہے،“ خود کو بار بار یاد کر کر اور اعلیٰ سطح مطمئن انداز میں آفس کے معمولات کو نمٹا رہی تھی کہ یاور آیا۔

”تم آخر مجھ سے ناراض کیوں ہو؟“ وہ سامنے کر سی پر بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

”میں انہیں تو، تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ بیلہ نے پوری کوشش کی کہ سرسری سے انداز میں اسے ٹال سکے۔

”مجھے کبھی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ میں بالکل ٹھیک ٹھیک اندازے لگاتا ہوں اس لیے فوراً بتا دو کہ کیا بات ہے جو تم ہمارے گھر کل شام نہیں آ رہی ہو۔“ وہ ضرور امبر سے سن کر آ رہا تھا، امبر آج خود کسی وجہ سے آفس نہیں آ سکی تھی۔ مگر حق دو سنی بھانے کے لیے اسے جو کچھ کرنا ہوتا، وہ کر گزرتی، چاہے اس کا رگزار ہی کو جھیلنا دوسروں کے لیے کتنا ہی تھن ہو۔

بیلہ کے لیے بھی اس وقت یاور کا سامنا کرنا وہ بھر ہوا جا رہا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم کہ تم کس بات پر ناراض ہو،“ امبر کہہ رہی تھی کہ شاید تمہیں تمینہ کی کوئی بات بری لگی ہے، اگر ایسا ہے تو میں اس کی طرف سے معافی

مانگتا ہوں، دیکھو وہ یہاں ہی ہے، ہم لوگوں سے ڈھنگ سے واقف بھی نہیں، شاید اسی لیے غلط فہمی۔“ وہ تہینہ کی صفائی پیش کر رہا تھا۔

بیلہ کو بہت عجیب سا لگا، چند منٹ تو وہ سنتی رہی اور برداشت بھی کیا تہینہ ان دونوں کے درمیان اس وقت بھی موجود تھی کہ اس کا ذکر موجود تھا۔ اسے اس قدر اہمیت محض بیلہ کی اپنی بے وقوفی کی بنا پر مل رہی تھی، اس بات کا احساس بیلہ کو اگلے چند لمحوں ہی میں ہو گیا تھا۔

یاد رکھنا اس کی خواہش کرنا اور بات تھی۔ لیکن یوں اس کے سامنے ایک کمپیکس کی ماری لڑکی کے روپ میں بیٹھ کر اس کی تقریر سننا اسے اپنی نظروں میں گرائے دے رہا تھا، سو اپنے احمق پن پر اہانت سمجھتے ہوئے وہ کمال بے نیازی سے اس کی بات کاٹ گئی۔

”معلوم نہیں تم کیا کہہ رہے ہو! بھلا تہینہ کا کیا ذکر! امیر تو تو کسی کوئی نہ کوئی لیسو کھڑا کر لیتی ہے بے وقوف۔“ یاد رکھی آنکھوں میں تہتی حیرانی دیکھ کر اس کے دل کو بڑی تسلی ہوئی، نہ جانے امیر نے اس سے کیا کیا کہہ ڈالا ہوگا، جو وہ یوں دوڑا چلا آیا تھا۔

”دراصل مجھے کچھ اپنے کام تھے سو جا تھا کل کی چھٹی میں نمنا لوں اسی لیے تمہارے گھر کا پروگرام کینسل کیا ہے اور بس۔“

اس کے لمحے میں اتنی چٹکتی تو تھی کہ یاد رکھ کر یقین کرنا پڑا کہ وہ جو کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے، سو وہ مطمئن انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹھیک ہے، تو پھر تم کل آ رہی ہو نا؟“

وہ اقرار کرائے بغیر ملنے والوں میں نہیں تھا۔ مزید بحث سے بچنے کے لیے یہی بہتر تھا کہ اس کی بات مان لی جائے۔ بیلہ نے یہی کیا، اس کے اثبات میں سر ہلاتے ہی وہ خدا حافظ کہہ کر چل دیا۔ کل کی پارٹی کے سلسلے میں اس کے سر پر دسیوں کام تھے۔ جنہیں سچ میں چھوڑ کر وہ بیلہ کی خبر گیری کو چلا آیا تھا۔ اس کی اپنائیت کے یہی انداز دل کو میں اندر سے چھو جاتے تھے بیلہ

سامنے بڑے سادہ کاغذ پر چند منٹ یونہی آڑی ترچھی لائنیں کھینچی رہی۔

”بس تم نے تک رسائی ممکن ہی نہ ہو، اس کی تمنا بھلا اتنی زور آور کیوں ہوئی ہے؟“ وہ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہتی تھی، لیکن اس کے لیے فرصت اور شمائی دونوں ہی درکار تھے۔ آنکھوں کے کنارے کیلے ہوئے لگے تھے۔

”یہ بڑی مصیبت ہے، بھئی۔“ اپنی اس کمزوری سے اسے بے حد چڑھتی تھی، لہذا پلٹیں جھٹکاتے ہوئے قریب رکھی غافل میں گم ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

♡ ♡ ♡ ♡

تیز تیز قدم اٹھاتی دفعہ اپنے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ اس طرح آنکھیں موندے لیٹی تھی جیسا کہ وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ پائیں نکالنے سے آنکھوں کو ڈھانپنے وہ کڑکت ڈیرہ وہ کھینچنے سے اسی پوزیشن میں تھی، معلوم نہیں کہ سوری تھی یا جاگ رہی تھی۔

”بیلہ! اے بیلہ!“ وہ اس کا بازو ہلانے لگیں۔ ان کی آواز میں خوشی کی جگہ کاٹ اتنی واضح تھی کہ بیلہ نے محبت آنکھیں کھول دیں۔

”کب سے لیٹی ہوئی ہو، اب اٹھ جاؤ، شام کے لیے کوئی ٹیڑھے وغیرہ ہی نکل لو، کیا پین کر جاؤ گی؟“ وہ غالباً اسے اٹھانے کا جو پیرا کر رہی تھیں، لیکن بیلہ سمجھ رہی تھی کہ بات محض یہ نہیں ہے، کچھ ایسا اچھا یقیناً ہوا ہے جس نے امی کے سر پرے کو منور کر کے رکھ دیا ہے، اتنی خوش تو وہ مدت سے نظر نہیں آتی تھیں۔

”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ اس نے قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

”تمہارے تایا اب وغیرہ بھی مدعو ہیں یاد رکھو مگر جانیں گے بس شانزہ اور آصف، عبیدی، شانزہ کہہ رہی تھی کہ تم بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ چلی چلنا۔“ دونوں ہاتھوں سے بکھرے ہوئے ہاتھوں کو سمیٹ کر دوبارہ کلب لگاتے ہوئے اس نے یہ اطلاع بھی سن لی مگر ابھی کچھ کوئی برا ہاتھ نہیں آیا۔

تایا اب چھٹی کی وجہ سے آج گھر پر ہی تھے اور امی کافی دیر ان کے پاس بیٹھ کر آ رہی تھیں اس لیے اتنا تو وہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی اچھی خبر تایا اب کی طرف سے ہی آئی ہے۔

”شانزہ کہہ رہی تھی کہ بیلہ سے کہیں کہ چھٹی کے دن ہی ہم لوگوں کے پاس آکر بیٹھ جایا کرے۔“ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ رہ گئے ہوئے بولیں۔

بیلہ کے پاس اس وقت شانزہ کی میزبانوں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا وہ تو بس جلد سے جلد امی کی بے پایاں خوشی کا سبب جانتا جا رہی تھی، جو اسے بھی ابھی سے مسرور کے دے رہی تھی اور یوں خوش ہوئے اسے کہنے دن گزر چکے تھے۔

”پہلے یہ جانیں کہ آپ اس قدر خوش کیوں ہیں۔“ لگتا ہے کوئی زبردست خبر ہے آپ کے پاس۔“ اس نے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما۔

امی کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی پڑ رہی تھی۔ محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ بے حد مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

”بتائی ہوں خبر سے بتانا ہی ہے تمہیں۔“ وہ پل بھر کو کہیں ”تمہارے خالو آئے تھے۔“ بھائی صاحب کے آفس میں آج شام بہت شرمندہ تھے اپنے رویہ پر، بہت مغالطی تلافی کر کے گئے ہیں۔“ وہ سانس روکے ان کی شکل دیکھنے لگی۔

”بھائی صاحب کا خیال ہے کہ ہمیں ان کی بات رکھ لینی چاہیے، بھر حال اپنے ہیں اور اسی لیے پلٹ کر آئے بھی ہیں ورنہ کسی غیر کو کیا پڑی، ان کی کہ ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑنے کی زحمت اٹھانا، سچی بات ہے مجھے تو بے حد خوش ہوئی ہے، تمہارے لیے تو سکندر کے علاوہ میں نے کسی اور کا تصور بھی نہیں کیا ہے، ایک بہن کے علاوہ میرا بے بھی کون؟ اب یہ بہانہ ہم دونوں کا ساتھ۔“ وہ تہمتاے ہوئے چہرے کے ساتھ کئے چلی جا رہی تھیں پر بیلہ اب شاید کچھ بھی نہیں سن رہی تھی، اپنے اطراف پھلتے ہوئے ستائوں میں گھری وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں تھی۔

”تمہارے تایا اب مجھے تم سے پوچھنے کے لیے کہہ رہے تھے، میں نے کہا بیلہ کو کیا اعتراض ہوگا، آخر اس سے منسوب رہی ہے، کیوں ٹھیک کہا میں نے؟“ وہ اپنی بات کے اختتام پر سوالیہ لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ بھی جیسے چونک سی گئی۔

”پتا نہیں؟“ کہا تو اس نے زیر لب ہی تھا، مگر انہوں نے سن لیا تھا اور فوراً ہی اس پتا نہیں کی وضاحت بھی طلب کر ڈالی۔ بیلہ کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کہ اسے ان سے کیا کہنا چاہیے، ایک مصیبت جو آسانی سے خود ہی ٹل گئی تھی بے حد کدو فر کے ساتھ دوبارہ برائمان تھی۔

دل کے اندر ایک صدائے احتجاج بلند تھی مگر لب اس کی ادھوری باتوں کی امی عادی تھیں اور انہیں زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتی تھیں اس وقت بھی نظر انداز کر گئیں، اٹھتے اٹھتے البتہ انہوں نے ہدایت ضرور کر ڈالی کہ چونکہ تایا اب اپنے ابھی یہ بات کسی کو یعنی تائی امی اور تایا بیگم وغیرہ کو بھی نہیں بتائی ہے اس لیے وہ کسی سے ذکر نہ کرے۔

”ہونہ۔“ گویا اس خوش کن ذکر کو زمانے میں عام کرنے کے لیے وہ تو مری جاری ہے۔“ بیلہ نے سر جھٹک کر سوچا۔ اور سوچ کے معاملے میں تو وہ آج کل پوری طرح خود کفیل تھی، ایک کے بعد ایک نیا مسئلہ نئی فکر۔

یوں سکندر میں کوئی ایسی برائی نہیں تھی جسے اس کے خلاف جواز کے طور پر پیش کیا جاسکے کہ گھر کا ماحول اس کی عادت و اطوار سے جھٹکا بلکا پن، امی کو شاید اتنے برے نہ لگتے ہوں جتنے کہ اسے آخر وہ ان کے اپنے تھے اور امی کو یہ اپنا پن بے حد متاثر کر رہا تھا۔

شام ڈھلے تک امی کو خوش خوش دیکھ کر وہ ہوتی رہی یاد رکھنے کے گھر جانے کی اس میں اب ذرا بھی ہمت نہیں تھی۔ مگر جاتے بنا چارہ بھی نہیں تھا سب سے زیادہ خطرہ امیر کی طرف سے تھا۔ ایک بار پھر پروگرام کینسل کرنے پر وہ اس کی جان کو آجاتی۔

شانزہ کا بلاوے پر بلاوا آ رہا تھا۔ سو وہ تیار ہو کر اس

کی طرف آگئی ۱۔ اسے دیکھ کر شانہ نے فوراً ہی چلو چلو کی رٹ لگا دی وہ بے حد خوش تھی آج عید بھی ساتھ جا رہا تھا ورنہ تو اپنے کاروبار کی مصروفیات اسے کم ہی ٹائم دیا کرتی تھیں۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ سارا راستہ عید سے باتوں میں مصروف رہی بیلہ پیچھے بیٹھی اس پر رشک کرتی رہی۔ آصف نہیں آیا تھا اس لیے وہ تینوں ہی جا رہے تھے شانہ عید پر جس طرح استحقاق جتاتی تھی اس سے اس کے اعتماد کا پورا پورا اظہار ہوتا تھا اور من چاہے شخص کا پیشہ کے لیے اپنی دسترس میں رہنے کا خیال دل پر کیا سحر طاری کرتا ہو گا بیلہ نے آذر کی کے ساتھ سوچا۔

وہ لوگ جب تک وہاں پہنچے، محفل کافی عروج پر آچکی تھی یاور کے گھر والوں کا سوشل سرکل وسیع تھا۔ اور ہمارے ہمارے پارٹیز کا انعقاد ان کا معمول۔

”کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں اتنی دیر لگا دی۔“ امبر نے اسے ساتھ لے کر قریبی ٹیبل کا رخ کیا۔ ”یہاں نہیں، کہیں پیچھے چل کر بیٹھتے ہیں امبر۔“ آج مہمان معمول سے زیادہ تھے اور بیلہ کا محفل کے بچوں بیچ بیٹھنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

”اوں ہونہ۔!“ امبر نے اس کے کزور سے احتجاج کو سر کی ایک جنبش سے روکا ۳۔ ”اصل تو عزم تو میں آئے گا پیچھے بیٹھ کر کیا تماشا دیکھنے کو ملے گا؟ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تو بیلہ کو بھی بیٹھنا پڑ گیا۔

”تائی امی نے آج خصوصیت کے ساتھ اپنے سارے میکے کو انوائٹ کیا ہے اور ذرا نوٹ کرو کہ کیا ایک سے بڑھ کر ایک اسٹارٹ لڑکے بھرے ہیں ان کے میکے میں اس سے پہلے تو کبھی اتنی تعداد میں یہاں نہیں دیکھے گئے ہیں۔“ اس کے انداز پر بیلہ کے لبوں پر مسکراہٹ بس ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گئی۔

پہلے کمر کے سوٹ میں وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں شہری اداسی امبر سے چھپی نہیں رہ سکی۔

”لگتا ہے تمہیں بی بی کے لیے سوئمبر چلایا گیا ہے“

اور وہ خوش نصیب کون ہو گا اس کا بھی اندازہ آج ہو ہی جائے گا۔ ۴۔ امبر کو احساس تھا کہ یہ وقت بیلہ کو پچھڑنے کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہے، اسی لیے وہ اس کا دھیان بنانے کی کوشش کرنے لگی۔

تمہینہ آج واقعی مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی۔ خوبصورت تو وہ بھی ہی پر آج اس نے اپنی تیاریوں میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہاں اس کے بہت سارے کزنز موجود تھے جن کے جھرمٹ میں وہ ایک ادا کے ساتھ سروانجا کیے بیٹھی تھی۔ بالکل ایسے جیسے ایک عالم کو رخ کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہو۔

یاور کی امی اپنے ہر مہمان سے اسے متعارف کرانا خود پر فرس کئے ہوئے تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس قریب کی مہمان خصوصی وہی تھیں ۵۔ امبر نے اسے تمہینہ کی والدہ بھی دکھائیں جو کل رات ہی پاکستان پہنچی تھیں بیلہ کو انہیں دیکھ کر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔ تمہینہ کی والدہ کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

سرخ و سفید رنگت پر گولڈن ڈلی کئے گئے بالوں کے ساتھ وہ یقیناً ”خود کو بھی“ حسیوں میں شمار کرتی ہوں گی انہوں نے جو لری کا استعمال بھی بے تحاشا کیا ہوا تھا۔ کھانے اور خود پسندی کا مرض معاشرے میں ویسے ہی عام ہو چلا ہے۔ وہاں بی بی بھی اس کا شکار تھیں تو کیا عجب تھا۔

”تم دونوں سرجوڑے کسن کی غیبت میں مصروف ہو؟“ یاور ان کی طرف چلا آیا۔ آج وہ مہمانوں کو اینڈ کرنے میں مصروف تھا۔ اس لیے کھڑائی رہا۔

”تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔“ امبر کے لہجے میں جو ذرا شرمندگی ہو۔

”بری بات! اور بیلہ تم تو باز رہو پلےز کم از کم یہی خیال کرو کہ آج کتنی اچھی لگ رہی ہو۔“ یاور کا لعلی جملہ بیلہ کو آج سارے دن جھیلی گئی افسردگی کے صلے کے طور پر لگا ٹھنڈک کا سکون بخش احساس اندر کی تپش کو کم کرنے لگا۔

”ایک بات ہے امبر! وہ بیلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کیے دے رہا تھا اور اسے خواہ مخواہ ہی ادھر ادھر

لگا رہی دوڑانی بڑی تھیں۔“ یہ بیلہ جب سے خاموش رہنے لگی ہے اور زیادہ اچھی نہیں لگنے لگی ہے۔

”اچھی تو خیر، ہمیشہ سے ہی ہے لیکن شاید تمہیں نظر ہی نہیں آئی۔“ امبر نے جڑتہ جواب دیا۔

”خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، میری نزدیک کی نگاہ بہت تیز ہے۔“ اس نے جملہ پورا ہی کیا تھا کہ کسی نے آواز دے لی یاور مسکراتا ہوا اس کی طرف چلا گیا۔

بیلہ کو لگا جیسے وہ اس کے دل کا بھید پا چکا ہے، اس کے جلوں کی معنی خیزی، کشفیہ ذکر کرنے والی تھی۔ بیلہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ امبر پر ناراض ہونے لگی۔

”کیا ضرورت تھی میرے حوالے سے اس قسم کی فضول بات کرنے کی۔“

”بات میں نہیں یاور کر رہا تھا اور ایک مذاق کی بات میں تم اس قدر سیریس کیوں ہو رہی ہو۔“ امبر نے ملانمت سے سمجھانا چاہا۔

”میں اس قسم کے مذاق افورڈ نہیں کر سکتی۔“

”بالکل ہو، یاور کی بات کا کیا برا ماننا تم بھی تو اسے بہت سمجھ کہہ لیتی ہو ۶۔ ہم لوگوں کا کتنا پرانا ساتھ ہے پہلے تو کبھی تم اتنی زور دین نہیں تھیں۔“

”پہلے کی بات اور تم بھی امبر۔“ حالانکہ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب اس کا اپنے دل پر سے بھروسا اٹھ چکا ہے۔ یہ کہنا بھی کہاں آسان تھا سو وہ آج کی روداد کی طرف آگئی۔

”خالہ کے گھر کا ماحول بالکل مختلف ہے اور سکندر کی نچرا اس سے بھی زیادہ خالو تالیا ابا کے پاس آئے تھے ان کا خیال۔“ وہ دھیرے دھیرے سنانے لگی۔ تو امبر کو بے حد شجیدگی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

”میرا تم لوگوں سے ملنا جلنا شاید ناممکن ہی ہو جائے گا اور یاور کے ساتھ یہ بے تکلفی تو بالکل ہی ناقابل معافی نہیں ہوگی۔“ وہ یاور کے جلوں کی معنی خیزی سے خوش ہو کر خوش فہیوں کا جال بننے کے بجائے

”حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ امبر کو اس کے اتنی جلدی ہارمان لینے پر حیرت بھی ہو رہی تھی اور افسوس بھی، ان دونوں کا بچپن سے ساتھ تھا۔ یاور جو بدست سی محرومیوں کے امبر نے اسے آج تک بہت باحوصلہ اور صابری پایا تھا حتیٰ کہ اس کے تایا ابا کی فیملی کے نامناسب رویے کا اندازہ بھی امبر نے وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی لگایا تھا۔ ورنہ بیلہ نے تو کبھی ان کے متعلق بھی کوئی نگاہ نہیں کیا تھا۔

”اتنی جلدی سارے اندازے مت لگاؤ کل دل اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے اور آئی کے لیے بھی تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔“

”خوشی!“ ایک بھگیسی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی، سامنے یاور اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کس قدر تازگی تھی جو فاصلے سے بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک ہی باہر آگیا۔ امبر کا منکبتر بیلہ سے حال احوال پوچھتے ہوئے وہ ذرا دیر کے لیے وہیں بیٹھ گیا۔ موضوع خود بخود بدل گیا، باہر کی طبیعت میں یاور کی نسبت شجیدگی تھی اور بقیل امبر کے ۷۔ اسے اپنی منکبتر کے آگے پیچھے پھرنے سے زیادہ ضروری کام ہمہ وقت درپیش رہتے تھے۔ اس وقت بھی چند منٹ بیٹھ کر وہ چلا گیا۔

امبر کو اس کی امی نے آواز دی تو وہ بھی ۸۔ ”بھی آئی“ کہہ کر اٹھ گئی۔ بیلہ کچھ دیر کے لیے تنہا بیٹھی رہ گئی۔ اپنا دھیان بنانے کے لیے اس نے توجہ ”تمہینہ اینڈ گروپ“ کی طرف کر لی۔ ان کی ٹیبل پر سب سے زیادہ رش تھا۔ تمہینہ کی امی بھی جو کچھ دیر پہلے تک اپنی رشتہ دار خواتین کے ساتھ نظر آرہی تھیں۔ اب اپنی ”خوہیہ پیشکش“ کے ٹھیک برابر جا بیٹھی تھیں۔

اپنی بیٹی کو دیے جانے والے جیز اور جائیداد کا آج انہوں نے کافی پروپیگنڈہ کر لیا تھا۔ اس لیے آگے کا کام مزید آسان ہونے کی پوری پوری توقع تھی اور اس ڈھیر ساری چکا چوند میں تمہینہ کا حسن بہت سی نگاہوں

میں دو آتش ہو رہا تھا۔ اپنی اہمیت کا تہینہ کو شاید کچھ زیادہ ہی احساس ہو چلا تھا۔ جس طرح وہ اپنی نگاہوں اور ہاتھوں کا استعمال کر رہی تھی یقیناً "خود کو مس ورلڈ سمجھ رہی تھی۔

بیلے ساختہ ہی مسکرا دی۔

"یہ اکیلے اکیلے کس سلسلے میں خوش ہوا جا رہا ہے میں قسم سے سخت جھلس رہا ہوں۔" یاد اور اس کے ٹھیک سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا "میں اس مسکراہٹ کا سبب آنجناب سکندر الدولہ کے خیال سے تو نہیں؟ وہ اس پر وارد ہوئی تازہ ریشانی سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لیے ناؤ آتش طور پر دل دکھانے والا مذاق کر گیا۔

"جس سے بھی ہوا تم سے مطلب۔" بیلہ شدید آکٹاہٹ کا شکار ہوئی۔

"مطلب ہے جب ہی تو پوچھ رہا ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں میری فکر کرنے کی؟ جا کر اپنے مہمانوں کو اسٹینڈ کرو۔" یاد کی مسکراہٹ ہمیشہ اسے چرنے پر مجبور کر دیا کرتی تھی۔ پر آج ایسا نہیں تھا کسی قسم کی کوئی بحث کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا بے زاری کا یہ انداز یاد کے لیے بھی نیا تھا۔ اسی لیے وہ کچھ چونک سا گیا۔

"بات کیا ہے؟" ادھر دیکھو میری طرف۔"

"آخر تم کسی بات کے پیچھے کیوں پڑ جاتے ہو۔" وہ بہت اعتماد کے ساتھ اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولی اور ایسا کرنے کے لیے اسے سختی بہت کرنی پڑی تھی۔ یہ وہی جانتی تھی۔

رنگ اور خوشبوؤں سے جی اس محفل میں دل کش نقوش والی اس لڑکی کی آنکھوں میں سُری اداسی اسے بے حد منفرد احساس بخش رہی تھی۔

کبھی کبھی اداسی کے رنگ بھی خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ یاد بہت دھیان سے اسے دیکھ گیا۔ وہ جو اپنی بات کہہ کر اب گردن موڑے اس کی طرف بالکل بھی توجہ نہ دینے کا ارادہ باندھے بیٹھی تھی۔

"اتنی دیر سے تمہیں اشارے سے بلا رہی ہوں"

آخر خود اٹھ کر آتا رہا۔"

تہینہ کا ہاتھ یاد کے شانے پر تھا اور لمبے میں ناگواری "کب سے نہیں جتے بیٹھے ہو وہاں چلو ہماری ٹیبل پر اتنی مزیداریا تھی ہو رہی ہیں کہ بس۔"

"ہو نہ چند پچھو رہے اس کے حسن کا قہیدہ چھ رہے ہوں گے اور کیا باتیں ہوں گی۔" بیلہ نے جل کر سوچا، تہینہ کی جانب رخ کرنے کی اس نے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ مگر وہ خود ہی اسے مخاطب کر بیٹھی۔

"اوہ بیلہ آپ بھی آتی ہیں؟" یاد آ رہی۔

اس کی انگریزی، دو چار رسمی جملوں کے بعد ٹھپ ہو جاتی تھی یہ بات بیلہ امبر سے سن چکی تھی مگر پھر بھی خوش اخلاقی کا یہ مظاہرہ حیران کن تھا۔

ایک زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر بجا کر اسے تہینہ کا پردھا ہوا ہاتھ تھامنا پڑا یاد کاویا ہوا بریلیٹ اس کی کلائی میں تھا۔

"ٹھہر بھی، می بھی تمہیں پوچھ رہی ہیں۔" وہ یاد کو لینے آئی تھی سو اسے اٹھا کر پچھوڑا بیلہ سے اس نے رسوا بھی اتفاق نہ کیا کہ وہ بھی انہیں جوائن کرے۔

یاد کا ہاتھ تھامے وہ واپس اپنی ٹیبل پر چلی گئی۔ بیلہ کی نگاہ میں اس کی کلائی پر دھکا ہوا وہ بریلیٹ ابھی تک محسوس رہا تھا اور اس کی چمک اتنی بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کہ اسے اپنی آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

تہینہ کی آج یاد کے ساتھ بڑھتی ہوئی بے تکلفی کی وجہ بھی سمجھ میں آ رہی تھی۔

شانزدہ اور عید کی تلاش میں وہ نظرس ادھر ادھر دوڑانے لگی۔ مگر وہ دونوں نظر نہیں آ رہے تھے امبر بھی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ بیلہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ اب گھر جانا چاہ رہی تھی اس لیے شانزدہ اور عید کو ڈھونڈنا ضروری تھا قدرے فاصلے پر وہ دونوں نظر آئے تو وہ ان لوگوں کی طرف بڑھ گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥

خالو کی کاپی لپٹ پر سب ہی حیران تھے۔ یاد تو وہ بیلہ کا نام سننا گوارا نہیں کر رہے تھے یا اب

اس کے گمن گاتے نہیں تھک رہے تھے، صفیہ خالہ جو ان کے منہ سے اپنی اکلوتی بہن اور بھانجی کے لیے طنز جملے سننے کی عادی ہو چکی تھیں، اب ان کی تقریریں سنتے ہوئے حیرت سے میاں کا منہ تھکنے لگتیں۔ بہر حال اس تبدیلی پر وہ بے حد خوش تھیں اور ان سے بھی زیادہ سکندر، اس کی دلی تمنا پوری ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا بیلہ کو لاکھ پندرہ کرنے کے باوجود بھی وہ لاپا سے بغاوت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ سارا روپیہ پیسہ ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا اور نہ جانے کن کن ترکیبوں سے وہ دو کے چار اور چار سے آٹھ بنائے جاتے تھے۔ حال ہی میں بیٹا کی شادی انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کوئی چھوٹی موٹی آسائی نہیں، خاصی بڑی چیز ہیں۔ سوان کی مخالفت مول لے کر محض اپنی چند ہزار کی تنخواہ کے بل پر بیلہ سے عشق جھانڈنے کی حماقت سے وہ بازی رہا تھا۔

"کسی دن اپنی بہن کو کھانے پر ہی بلوا لو بہت دن ہو گئے ہیں اسے آئے ہوئے۔" سہیلہ کو خیند سے اٹھتے ہی انہوں نے بیوی کو ہدایت کی کہ وہ ان کے لیے چائے کا پیالہ لیے چلی آ رہی تھیں۔ سرہانے رکھی میز پر چائے رکھ کر وہ وہیں بنگ کی پی پرنگ لگیں۔

"اور ایسا کرنا کہ بیلہ کے تباہی کو بھی آنے کے لیے کہہ دینا۔ آج تک ہم لوگوں نے انہیں مدد بھی نہیں کیا۔"

"کیوں! ابھی بیٹا کی شادی میں آئے تو تھے وہ لوگ۔" صفیہ خالہ نے ان کی نصیحت کی۔

"شادی میں آنا اور بات چیتی اور اب اس بات کو بھی تین ساڑھے تین ماہ تو ہو ہی گئے ہیں۔"

"کیا بات ہے آج کل بڑے مہمان ہیں۔" وہ طنز کے بغیر نہ کہیں۔

"تم تو ہمیشہ ہی سے ایسے ہیں۔ تم ہمیں نہ سمجھ سکیں صفیہ بیگم۔" خالو کے چہرے پر چیلی مسکراہٹ مٹی خیز تھی۔

"پھر بھی کچھ تو بتا چلے آخر معاملہ کیا ہے۔" "تم کھانے سے غرض رکھو، بیڑ مت منو تمہیں

سکندر کی شادی بیلہ سے کرنے کی آرزو تھی سو وہ پوری ہو جائے گی تم اس کی تیاری شروع کرو۔"

"تیاری کہاں سے کروں، پیسے میرے ہاتھ پر رکھو گے تو تیاری ہوگی نا۔" وہ کچھ خفگی سے بولیں بیٹا کی شادی کے بعد سے خالو نے پھر اپنی مٹھی کس کر بند کر رکھی تھی۔

"پیسے بھی مل جائیں گے ویرج ر کھو، پہلے ایک دفعہ بیلہ کے تباہی کے کھر چل کر باقاعدہ رشتہ بکا کر کے تاریخ لے لیں۔" وہ بیوی کی خفگی کا ذرا بھی برا مانے بغیر مسکراتے رہے، آج کل ان کا لہجہ برا سمجھاں بھرا ہو رہا تھا۔

"تو کب چلیں گے آخر؟" میں تو پوچھ پوچھ کر بارگشی کہ بیلہ کے تباہی سے کیا بات ہوئی ہے مگر کچھ بھی بتا کر نہ دیا۔"

"سب بتا چل جائے گا بس تمہوڑا انتظار کرو۔" وہ چائے ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے ذرا کام سے جانا ہے میرے کپڑے استری ہوئے ہیں یا نہیں۔" انہوں نے بات کا رخ موڑا وہ جب سے بیلہ کے تباہی سے مل کر آئے تھے اسی طرح پر اسرار بنے پھرتے تھے۔ وہاں کیا بات چیت رہی تھی۔ اس کا عید انہوں نے کسی کو بھی نہیں دیا تھا۔

صفیہ خالہ بڑبڑاتی ہوئی استری کے اسٹینڈ کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ اسی بڑے بڑے موڑ کے ساتھ وہ خالو کی قیاس استری کر رہی تھیں کہ سکندر آیا وہ بے چارہ دن میں ہی بار بڑی آس کے ساتھ پوچھا کر تھا کہ اب اپنے کچھ بتایا؟ اس وقت بھی پوچھنے لگا تو وہ بہت چڑ کر بولیں۔

"پوچھ لے خود، کیا تو پ داغ کر آئے ہیں وہاں؟ میری تو جیسے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اس گھر میں۔" ان کے کڑے تیور سکندر کے لیے کی الجھن خاموش رہنے کا بگل تھے۔ سو وہ خاموش ہی رہا۔

معاملات اس کے حق میں جارہے تھے، خواہ مخواہ کا غصہ دکھا کر وہ بتا بتایا کھیل بگاڑنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ خود ہی اندازے لگاتا ہوا باہر کے

دروازے کی طرف چل دیا۔

♡ ♡ ♡ ♡

آج کل روزِ دوسرے آسمان پر بادل جمع ہونے شروع ہو جاتے، ہوا بھی تھکنے لگتی ایسا محسوس ہو گا کہ بارش ہوئی کہ ہوئی۔ مگر پھر شام ڈھلے تک ہوا کے جھونکوں میں تیزی آتی شروع ہوئی اور سارے بادل یہ جاوے جا۔

بیلہ کو بارشوں کا موسم بے حد پسند تھا، تو اتر سے پڑتی پانی کی بوندیں وہ بچپن ہی سے بڑے شوق کے عالم میں دیکھا کرتی تھی یہاں تک کہ بارش کے بعد کی کچڑ اور پھسلن بھی اسے کوفت میں مبتلا نہیں کرتی تھی۔

بہت سارے دنوں کی گرمی اور تپش کے بعد یہ بادلوں بھری دوسرے خوشگوار احساس پیدا کر رہی تھیں۔

بیلہ نے گیٹ سے لاؤنج تک آتے آتے روز کی طرح آج بھی بارش کی دعا مانگی، آج آفس سے وہ دروازہ جلدی فارغ ہوئی تھی۔ امیر نے کہا بھی کہ اس کے گھر چلی چلے مگر وہ نہ مانی امیر کے پاس سارے موضوع و بی ہوا کرتے تھے۔ جو خواہنا وہ اپ سیٹ کرتے تھے اس کی ہر بات کا سرا کہیں نہ کہیں سے ہوتا ہوا اپنی سرسرا سے جا ملتا، جہاں یا اور اور تہینہ کا ذکر لازمی ہوتا۔

سانے لاؤنج میں امی، مائی امی اور آپا بیگم بیٹوں ہی موجود تھیں۔ دو بڑے سوٹ کیس کارپٹ پر زمین وسط میں دھرے تھے اور رنگ برنگے کپڑوں کا دلکش ڈھیر مائی امی کے سامنے تھا۔

بیلہ کچھ بوکھلا سی گئی۔

بالکل شادی کی تیاریوں والا منظر تھا اور اسے فوری طور پر یہی خیال آیا کہ مائی امی اس کے معاملے میں اگلی پچھلی ساری سرنگھال دینا چاہ رہی ہیں۔

”آجائو بیلہ! اور ابھی میرا تو خیال ہے کہ اب تم آفس سے چھٹی ہی لے لو۔“ مائی امی سے اتنے نرم لہجے میں بات سننے کا موقع شاید کبھی پہلے ملا ہو، بیلہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ جس چیز کا ڈر آج کل اسے گھیرے رکھتا تھا کہیں وہ سر پر تو نہیں آچکا تھا۔ وہ پریشان نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھنے لگی۔

”شانہ اور عید کی شادی کی تیاری ہے۔ آپا بیگم نے گھر لے لیا ہے دوسرا بس ایک دو مہینے کے اندر اندر تارن رکھ دینی ہے۔“ امی نے اپنے سامنے پھیلائے ہوئے کپڑے کو قطع کرتے ہوئے اصل صورت حال سے آگاہ کیا تو اس کی جان میں جان آئی۔

مائی امی اور آپا بیگم نے اس سے کہا بھی کہ وہ بیٹھے پروہ رک نہیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ لوگ یقیناً اس کے کوئی نہ کوئی کام کرنے کی کوشش کریں گے جیسے وہ سہولت کے ساتھ منع کروے گی۔ نتیجہ کے طور پر محبت اور بھائی چارگی کے اس خوبصورت منظر میں ضروری خلل پڑ جانا تھا۔

بیلہ اپنے کمرے کی طرف چلی آئی، امی کے مصروفیات میں حد سے زیادہ اضافہ ہوتا تھا وہ بھی سر جتنی ہوئی پچن میں چلی آئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا سب کے کھانے پینے سے فارغ ہو کر بوا بھی شاید آرام کرنے چلی گئی تھیں ہات پاٹ میں روٹیاں رکھی تھیں پلیٹ کے ایک کونے پر ڈرا سا ساں نکال کر وہ وہاں بٹھا چلا کر ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

ابھی کھانا کھاتی رہی تھی کہ خلاف توقع امی آگئیں۔

”فارغ ہو گئیں آپ۔“

”نہیں ابھی تو کام شروع ہی کیا تھا میں تو تھیں دیکھنے آئی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولیں بیلہ محسوس کر رہی تھی کہ جب سے سکندر کے ساتھ اس کی شادی کی امید بندھ گئی ہے۔ امی بہت خوش رہنے لگی ہیں۔ اور ان کے چہرے پر پچھلی خوشی کے عکس دیکھ کر ہی وہ کچھ کہنے کی بہت نہ کر پائی۔

امی کچھ دیر یونی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں وہ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آنے لگی تو وہ ساتھ ہی تھیں۔

”بھائی صاحب کا خیال ہے کہ شانہ کے ساتھ تمہاری شادی سے بھی فارغ ہو جایا جائے۔ آج ناشتہ کے بعد وہ میرے پاس آئے تھے کافی دیر بیٹھے رہے۔ آفس بھی دیر سے گئے، تمہاری خاں وہاں آفس میں ان کے پاس آتے رہتے ہیں، وہ بھی جلدی کر رہے ہیں۔“

”میرے خیال میں تو اچھا ہی ہے کہ یہ کام جلد از جلد ہو جائے، ابھی تو ڈی دیر پہلے صفیہ کا فون بھی آیا تھا، ہم سب کو کھانے پر بلانا چاہ رہی ہے۔ میں نے کہا بھائی صاحب سے پوچھ کر دن بتاؤں گی۔“

”ایسی بھی کیا جلدی ہے امی! ابھی شانہ کی شادی ہو لینے دیں۔ وہ آہنگی سے بولی، ان کی ابقیہ باتوں کو تو شاید اس نے ٹھیک سے سمجھا نہیں تھا۔

رفیع نے ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا چاہا، مگر وہ چوہ جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کیے تاثرات واضح نہیں تھے۔ وہاں تھیں اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ بیلہ دل سے خوش نہیں ہے، پر اسے وہ محض اس کی جذباتیت گردان رہی تھی۔

”جلدی ہے! اچھے رشتے آسانی سے نہیں ملتے۔ اب شانہ کو دیکھو عید سے شادی پر اس نے ذرا بھی اعتراض نہیں کیا ورنہ اس کے لیے رشتوں کی کیا کمی ہے۔“

شانہ سے اپنا موازنہ اسے بری طرح چڑا گیا۔

”آپ بھی کس سے کس کو مار رہی ہیں۔ نہ شانہ سے میرا مقابلہ ہے اور نہ عید سے سکندر کا، اور پھر شانہ اور عید کی تو اپنی مرضی شامل ہے اس رشتے میں۔“

”سکندر کی بھی تو مرضی ہے اور شہنے عین ہے کہ اسی کے زور دینے پر ہمارے بہنوئی راضی ہوئے ہوں گے ورنہ وہ تو بالکل الگ دماغ کے آدمی ہیں۔“ رفیعہ نے اس کے اکھڑے کونے کو نظر انداز کرتے ہوئے سمجھانا چاہا اور پھر دیر تک اسے آئندہ کے روشن امکانات سے آگاہ کرتی رہیں۔

ان کا خیال تھا کہ بیلہ کے صفیہ خالہ کے گھر میں قدم رکھتے ہی وہ سارا گھرانہ سر تپا پدل جائے گا اور وہ لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے بیلہ ان کی کسی خوش فہمی سے متفق نہیں تھی۔ پھر بھی سننے لگی اور جہاں جہاں مناسب سمجھا۔

”حالات سے سمجھو یہ کرنا بڑا ہے، بی! تمہارے ابو زندہ ہوتے تو اور بات ہوتی، پھر یہ کہ سکندر بہر حال اچھا لڑکا ہے، تمہیں بہت خوش رہے گا۔“ امی اپنا

ارادہ بدلنے کے قطعی موڈ میں نہیں تھیں۔ ”وہ تو شکر ہے کہ بھائی صاحب نے ہماری ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اور اٹھا رہے ہیں ورنہ تو نہ جانے کہاں رلتے۔“ وہ جاتے جاتے کہہ گئیں۔

خود کو یوں بے چارگی بھرے جھول کی زد میں رکھنا بیلہ کے لیے بیش بہا ناقابل برداشت ہو جانا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ بالکل ہی کوئی گئی گزری شے ہو۔ اس وقت بھی وہ امی کے جانے کے بعد خود کو دیر تک کشتول کرتی رہی وہ سکندر کو تاپسند کرنے کی وجہ یا اور ہے یا کچھ اور اس کا سوال خود سے جواب لینے ہوئے وہ کنفیوژن کا شکار ہونے لگتی تھی۔

یاور کی ذات کو بچ میں سے ہٹا کر اسی نے کئی بار سکندر کے متعلق سوچنا چاہا مگر مٹا نہ سکی۔ خیال کی ہر رہ گزر پر وہ پہلے سے موجود باتوں میں اس کے ساتھ کی آرزو کب سے دبی تھی۔ خبری نہ ہو سکی تھا چاہے تو اس وقت جب وہ پھڑکنے کو تھا، اور دل کسی نصیحت کی تاویل کو سننے سے سخت منکر تھا۔

”ہونہ ایسا بھی کون سا یوسف ثانی ہے۔“ امی کی بھینکی سی مسکراہٹ بیلہ کے لبوں پر آئی، ”اور اگر قسمت میں صفیہ خالہ کا گھر ہی لکھا جا چکا ہے تو؟“ اس کے آگے سوچنا محال تھا وہ روپیہ پیر اور شو آف سے متاثر ہونے والی لڑکی نہیں تھی، زندگی کی بہت سی محرومیوں کو جھیلنے کے باوجود اس کی طبیعت میں ذرا سا بھی ہلکا پن نہیں تھا۔ کسی کی بڑی سے بڑی چیز کو بھی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھنا اس نے بچپن سے ہی سیکھ لیا تھا ایک بے نیازی ہی اس کے وجود کا حصہ بن چکی تھی اور یہی بے نیازی مائی امی وغیرہ کو چیلنج محسوس ہوتی تھی۔ ادھر صفیہ خالہ کا گھرانہ پیرہ تو رکھتا تھا زندگی کا شعور نہیں، انسان چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ اس کی سوچ اسے چھوٹا بناتی ہے سو وہ سارے بھی سوائے صفیہ خالہ کے دکھاوے، خود پسندی اور جھوٹ کے شکار ہوئے زمین پر رہ کر آسمان کی باتیں کرتے تھے۔

عصر کا وقت ہو رہا تھا بیلہ وضو کے لیے اٹھ گئی نماز پڑھ کر بھی وہ دیر تک تسبیح پڑھتی رہی، دل خود بخود مٹتا

اور وہ خود اس سیٹ اپ کا حصہ بننے کے لیے مری جا رہی ہے۔ اسے اپنے آپ سے شرم آنے لگی یاور بھی کون سا الگ ہے۔ تمینہ کی شکل اس کے باپ کا بے ہاشمہ دیکھ کر وہ کتنی آسانی سے پھسلا ہے۔
”یاور تو سخت چڑا ہوا ہے۔ بات کرو تو لڑنے کو آجاتا ہے میرا خیال ہے کہ وہ اپنی امی کی باتوں سے خاصا بیزار۔“

”میں آج جلدی جاؤں گی امیر! اس لیے تمہوڑا کام ختم کرلوں پلیز۔“ وہ کسی قسم کے مفروضے سے خود کو بھلا نا نہیں چاہتی تھی اس ذکر سے ہی اسے اب گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔
”کیوں! آخر بہت۔“

”میں نے بتایا تھا نا کہ خالہ باسٹھلا نزہت پر سوں سے ڈرا انہیں دیکھنے جاؤں گی۔“ اس نے سامنے رکھی ہوئی فائل کو کھولتے ہوئے کہا۔
”چھا ٹھیک ہے۔“ امیر بھی اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یوں بھی سامنے سے صدیقی صاحب آتے نظر آرہے تھے۔

بیلہ نے اپنا کام جلدی نمٹالیا تھا اس لیے صدیقی صاحب کو وجہ بتا کر چٹنی بھی لے لی۔ امیر کے لیے کچھ مزید کام آگیا تھا۔ اس لیے اسے رکنا پڑا۔ سونہ اس کا بھی پروگرام بن چکا تھا۔ بیلہ کے ساتھ جانے کا۔

امیر کو آٹس میں ہی چھوڑ کر جب وہ باہر نکلی تو موسم بے حد خوشگوار تھا ہوا میں ٹھنڈ اور مٹی کی خوشبو کا احساس نمایاں ہو رہا تھا کہیں نزدیک ہی پارک ہو چکی تھی۔ بیلہ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا بہت دور سے کالی گھٹا اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

ایئر کنڈیشنر آٹس میں سارا دن گزارنے کے بعد موسم کی فطری خوبصورتی کو محسوس کرنا بڑا بھلا سا لگا اور وہ ایسے مزید انجوائے کر سکتی تھی اگر اتنی متغایو کیفیتوں میں نہ گھری ہوئی۔

صفیہ خالہ دو دن پہلے اپنے گھر میں سلب ہو گئی تھیں ان کا جسم بھاری تھا ٹخنہ کی ہڈی میں ٹرہکچھو

”تمینہ کی امی نے اپنے ماموں زاد بھائی کے بیٹے کو پسند کر لیا ہے تمینہ کے لیے ڈاکٹر ہے امریکہ میں میٹل ہے اور آج کل میٹل آیا ہوا ہے اس دن پارٹی میں تھا۔“

آٹس میں کام سے ذرا سی فرصت پاتے ہی امیر نے بلا کسی تمہید کے اطلاع دی۔ ”باقاعدہ اعلان تو نہیں ہو سکا ہے پرافوہ گرم ہے اور اب ہماری ساس سخت ٹیشن میں ہیں۔ ان بے چاری کے تو تیز اوروں روپوں پر پانی پھر گیا ہے ممانداری کے چکر میں وہ تو بہت پر امید تھیں اور تمینہ کی امی نے بھی ان کو آتے ہی آسرا دے دیا تھا مگر اب وہ کمال کی بے مروتی دکھا رہی ہیں۔“

”مگر کیوں؟ کیوں کر رہی ہیں وہ ایسے اور تمینہ وہ کچھ نہیں کہہ رہی ہے۔“ بیلہ پوچھتے بغیر نہیں رہ سکی پارٹی والے دن تمینہ کا یاور کے ساتھ بے تکلف انداز اس کے ہاتھ میں یاور کا لایا بریسیٹ اس کی امی کا یاور اس کی والدہ سے لگاؤ کا اظہار آخر وہ سب کیا تھا۔

”اے سب چلتا ہے یہاں، جہاں چار میسے کا فائدہ ہوتا نظر آیا وہیں ساری کھٹ منٹ بھول بھال نیا قبلہ بنا لیتے ہیں لوگ آج کل تمینہ سنا ہے تمہوڑا بہت پس و پیش کر رہی ہے، دراصل یاور اس امریکہ والے سے شکل میں کافی اچھا ہے۔“ امیر نے جاری تھی۔

بیلہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا۔
تمینہ اس کی امی یاور اور اس کی والدہ اور پارٹی میں شریک دوسرے بہت سے چہرے بیلہ کی نگاہوں میں گھٹھ ہو رہے تھے۔

کیا لوگ تھے یہ زندگی گزارنے کے لیے ان کے پاس کچھ اخلاقی اصول تھے بھی یا نہیں بناوٹی باتیں کھوکھلے تھتے اور دکھائے کی محبتوں کا اظہار جنہیں خدا نے ہر طرح سے نوازا تھا مگر پھر بھی نیتیں سیر نہیں تھیں۔

ہو گیا۔ رفیعہ پرسوں سے ان کے پاس تھیں آج صبح وہ گھر آئیں تو انہوں نے بیلہ کو بائیکڈ کی کہ وہ آٹس سے واپسی میں ان کی خیریت معلوم کرتی آئے۔

رکشہ میں بیٹھی وہ مسلسل لوگوں کے رویے کے بارے میں سوچے جا رہی تھی اور اچانک پہلی بار ہی اسے یہ خیال آیا کہ ان مذہب اور بڑھے لکھے لوگوں جن کی باتوں سے خیالوں سے خوشبو آتی محسوس ہوتی ہے سکندر اور خالو بدر جہا بہتر ہیں وہ جیسے ہیں وہی نظر آتے ہیں۔ آج تک وہ خالو کو ماہر پرست سمجھ کر ان سے چڑنی رہی پر وہ اتنے برے نہ نکلے آخر تایا لیا کہ پاس جا کر انہوں نے اپنے جھپٹے رویے کی معذرت تو کی اور اس کا ہاتھ سکندر کے لیے مانگا۔

وہ بہت غیر جانبداری سے تجزیہ کرتی رہی۔
کیا رکھا تھا اس کے پاس بھلا جس کا لایع ان لوگوں کو کھینچ لایا کچھ بھی نہیں ایک کم مایہ لڑکی محض چند ہزار روپے ماہوار کمائے والی جس کے ساتھ بے چوڑے جینز کی چمک دمک بھی نہیں اور دو دوسروں کے در پر کمر و بان چڑھی اپنے لیے اس قدر بے رحم الفاظ اس نے زندگی میں پہلی بار سوچے۔

ہاسٹل کے گیٹ پر اتر کر اس نے کرایہ ادا کیا اور اندر داخل ہو گئی یہ ایک پرائیویٹ ہاسٹل تھا جو بہت زیادہ بڑا نہیں تھا مٹی لیے آئے جانے کے اوقات میں زیادہ سختی نہیں تھی۔

یونسی پارکنگ لٹ کی جانب اس کی نگاہ اٹھ گئی تایا لبا کی گاڑی کھڑی دکھائی دی۔

تایا لبا کی یہاں موجودگی اس کے لیے باعث حیرت تھی وہ جتنے مصروف رہتے تھے اس کو دیکھ کر سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ صفیہ خالہ کی عیادت کے لیے بطور خاص یہاں آئیں گے اور اب جب وہ یہاں آئی گئے تھے تو یقیناً ”اس کے اور سکندر کے درمیان بندھنے والے رشتے کی نزاکت کو سمجھ کر ہی آئے ہوں گے۔“

بیلہ نے سوچا کہ ”تایا لبا بھی بس کبھی کبھی حیران ہی کر دیتے ہیں۔“

ایک خطبے

سی لڑکی

کے کہانی

اسیلم قریشی

کا ایک ایسا

ناول جو

خواتین ڈائجسٹ

میں قسط وار چھپا اور بے حد

مقبول ہوا، آج بھی ہر لڑکی، ہر

خاتون یہ ناول پڑھنا چاہتی ہے

اب کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے

مجلد، خوبصورت مرق، قیمت 400 روپے

خواتین ڈائجسٹ

اُردو بازار کراچی

ملنے کا پتہ

• مکتبہ عمران ڈائجسٹ اُردو بازار کراچی

• لاہور ایکڈمی، 205، سکرلاؤڈ

بیرون اُردو بازار، لاہور

وا

خطبے

سی

دیوانی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

سی

ہا پسٹل ہی اندر لوگ کم ہی نظر آ رہے تھے ڈیوٹی پر موجود نرس سے پتا کر کے وہ داہنے ہاتھ والے کوریڈور کی طرف مڑ گئی کارڈور کے سرے پر کمروں کی لائن نظر آ رہی تھی مگر وہ چار قدم بعد ہی رکتا پڑ گیا۔

یامیں طرف مختصر سے پیچ سے جڑی وزیٹرو لابی میں سے آئی وہ تاپا ابا کی آواز تھی۔

جانے کس خیال کے تحت وہ ذرا پیچھے کو ہوا کھڑی ہو گئی بیلہ کے نام سے جو مکان میں نے خریدا ہے وہ تو آپ نے دیکھ لیا ہے اب اگر آپ کی تسلی ہو گئی ہو تو میں اس کی رجسٹری کرواؤں۔ تاپا ابا کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔

”نہیں نہیں ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا ساشاء اللہ بہت خوبصورت گھر ہے بس جو میری وہ دوسری عرض تھی۔“ خالو کی خوشامد بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکر رہی تھی۔ تاپا ابا نے تیزی سے ان کا جملہ کاٹا۔

”نہیں پانچ لاکھ کیش میں سکندر کے اکاؤنٹ میں نہیں جمع کرا سکتا وہ میں بیلہ کے ہی اکاؤنٹ میں کروں گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر ہماری طرف سے بھی مجبوری سمجھئے۔“ خالو نے تیز نشانی پر لگتے نہ دیکھ کر یکدم ہی سرد مری اختیار کر لی۔

بیلہ ایک شاگ کے عالم میں کھڑی تھی۔ یہ کیا سوچے بازی تھی جو اس کے اپنے وجود سے متعلق تھی اور وہی بے خبر تھی۔

”جیسے آپ کی مرضی۔“ تاپا ابا بھی ایک دم خشک ہو گئے ”اگر میں آپ کی شرائط کو مانا ہوں تو مجھے اپنی بچی کی سیکورٹی کا حق بھی حاصل ہے۔“

”ارے ارے رکے تو ذرا صاحب! آپ تو یکدم ہی ناراض ہو گئے،“ چلیے جانے دیں بیلہ ہی کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیں، آخر وہ بھی تو ہماری بچی ہے اے سکندر تو کیوں خاموش کھڑا ہے۔“

خالو ہاں سرودا کرتے سارا نفع نقصان ذہن میں رکھ کر انہوں نے یہ کھیل کھیلا تھا۔

بیلہ کو اپنے گال جھٹکتے ہوئے محسوس ہوئے تو اس نے انگلیوں کی پوروں سے انہیں حنا کیا۔

”یا خدا یا خدا! آخر ہم جیسوں کے لیے کوئی جائے پناہ سے بھی یا نہیں۔“ اس کا دل بھر آیا تھا۔

سکندر کیا مین مین کر رہا تھا خالو کا چپکا چڑا ہوا تاپا ابا کی بھاری آواز وہ کچھ بھی سننا نہیں چاہ رہی تھی۔ ایک وارڈ بوائے اور سے گزرا تو وہ خود کو سنبھالنے لگی۔ تاپا ابا کے قدموں کی آہٹ پر وہ تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹ گئی وہ جارہے تھے سکندر اور خالو ان کے پیچھے غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ چل رہے تھے۔

”بس میری یہی خواہش ہے کہ بیلہ یا بھابی کو کبھی یہ خبر نہ ہو کہ یہ سب میں نے آپ کے کئے ہیں۔“ تاپا ابا کی آواز دور ہوئی جارہی تھی۔

چند منٹ بعد اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

ایک گہری سانس کے لیے اس نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی تاپا ابا کی گاڑی ہاسپٹل کے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی اور وہ دونوں باپ بیٹے وہیں پارکنگ لائٹ کے قریب کھڑے شاید آئندہ کالاتھ مکمل ترتیب دے رہے تھے۔

بیلہ چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی شیشے کے دروازے کو دھکیل کر باہر نکلتے ہوئے اس نے اپنے بیک سے سن گلاسز نکال کر اپنے ”ان روٹی روٹی“ آنکھوں کے ساتھ وہ ان لوگوں کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ لوگ وہیں کھڑے تھے جب وہ ان کے عین قریب پہنچی اسے یوں سامنے پا کر ان دونوں نے مگر بخوشی دکھائی چاہی۔

پر بیلہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے پل بھر کا بھی توقف نہیں کیا۔ ”آپ دونوں حضرات سے بس ایک چھوٹی سی بات کہنے کے لیے یہاں رکے ہوں کہ آئندہ کسی کی قیمت لگانے سے پہلے

ایک نظر اپنی اوقات پر بھی ڈال لیجئے گا۔ آیا آپ اس مہنگی خریداری کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔“

”بیلہ بیٹی۔“ خالو نے کچھ کتنا چاہا مگر اس نے جیسے سنائی نہیں۔

”مقتل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ سلطان صاحب! آج اس وقت کے بعد میری زندگی بھر کے لیے تمنا ہوئی کہ میں آپ کی اور آپ کے بیٹے کی صورت تک نہ دیکھوں۔“

مضبوط لیجے میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے ایک نگاہ خالو کے کھلے منہ اور سکندر کی آنکھوں میں جلتی جھٹکتی شمعوں پر ڈالی اور تیز قدموں سے گیٹ کی طرف چلی گئی، اگلی لمبی پوندیں پڑتی شروع ہو چکی تھیں۔

رکشہ یا ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے ہوئے اسے بجا طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ اتنی مضبوطی دکھانے کے باوجود آنکھوں میں پانی ہے کہ بھرتا ہی چلا جا رہا ہے۔

ایک گاڑی بالکل قریب آکر رکی تو وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”چلو آؤ بیٹو۔“ اس کی سائڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے یاور نے جھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ اسے منع کرنا چاہتی تھی مگر حلق میں آنسوؤں سے پھندا سا لگا جا رہا تھا۔

”بارش تیز ہونے والی ہے اور گھر یہاں سے بہت دور ہے۔ اس لیے منع کرنے کی حماقت مت کرنا۔“

آپس پاس سے گزرنے لوگوں میں سے چند ایک نے اچھٹی سی نگاہ اس پر ڈالی۔ ہوا کے جھونکوں کو ساتھ لاتی پالی کی پوندیں اس کے چہرے اور بالوں سے ٹکر رہی تھیں۔ چلتی سڑک پر اس تیز ہوتی بارش میں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بننے سے شاید کسی بہتر ہوتا وہ جلدی سے کھلے دروازے سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”شکر ہے۔“ یاور گاڑی کو کھنکھناتے ڈالتے ہوئے بولا ”دراصل میں تمہیں ہی لینے یہاں آیا تھا، ابھی

سکندر پر تمہارے تاپا ابا کی گاڑی کو کراس کیا تھا وہ بھی شاید اور دھری سے ہو کر جارہے تھے۔“ اس نے ذرا توقف کیا کہ شاید بیلہ کچھ لمبے ٹکڑے تو تھوڑا سا ترچھا رخ کیے باہر دیکھے جارہی تھی۔

”بہت دن سے ایک محاذ پر لڑ رہا تھا آج کامیابی ہوئی تو خوشخبری سناتے تمہارے پاس بھاگا چلا آیا۔ وہاں آفس میں وہ امیر مجھے طعنے دینے کے لیے تیار بیٹھی۔ بڑی مشکل سے تمہارا بتایا ہونے والی ساس کی تیار داری کا اچھا شوق اپنایا ہے تم نے۔“

”شٹ اپ یاور۔“ بیلہ کو ضبط کی حد ختم ہوتی محسوس ہوئی، آخر اسے حق کیا پچھتا تھا کہ وہ اس کا یوں مذاق اڑائے۔

”ارے وا! غصہ تو مجھے دکھانا چاہیے جو تم یوں میرے فیوچر کی ساری پلاننگ تباہ کیے دے رہی ہو مگر میں تو وہ کیا کہا ہے شاعر نے ہاں۔ میں کو چڑھ رقیب میں بھی سر کے بل گیا۔ کی تصویر یہاں تک آلیا۔“

بیلہ نے فحشا لب ہلکے سے دانت تلے دیا، وہ ابھی

دلہ خواتین ڈائجسٹ
 کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو (سائیکالوجی)
شائع ہو گیا ہے
 خوبصورت سرورق، آفٹ چھپا، مضبوط جلد،
 قیمت 600 روپے
 پتا ذیل سے خریدیں
 • مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی
 • احمد نیوز ایجنسی، فریڈریک کراچی
 • سلطان نیوز ایجنسی، اخبار، ریکٹ لاہور
 • اشرف مکتبہ ایمنی راولپنڈی • مہراں نیوز ایجنسی حیدر آباد
 • ندوہ ٹرانسمیڈیٹ، 37 اردو بازار کراچی
 • مکتبہ عمران ڈائجسٹ کراچی

گیسٹو فیل
سیرپ



• تیزابیت
• گیس
• بد ہضمی
• میں مفید

تحقیق کی روایت
معیاری ضمانت



والی چیز سونا نہیں۔ وہ بہت سادہ مگر مضبوط لمبے میں اپنی بات کہے چلا جا رہا تھا۔ ”ہمارے بڑے اگر کبھی کچھ ایسا چاہ رہے ہوں، جو ہماری خواہش کے بالکل برعکس ہو، تب بھی تب بھی ان کی عزت و احترام میں کمی نہیں آنے دینی چاہئے، بلکہ ان کی خوشی اور رضا مندی کو جیتنے کی کوشش کرنی چاہیے، میں بھی ایسا ہی کر رہا تھا اور دیکھو کامیاب ہوا۔“

بیلہ گردن موڑے باہر برستی بوندوں کو دیکھے جاری تھی اس کی وضاحت کو دل پوری طرح قبول کر رہا تھا وہ ایسا ہی تھا جیسا دل نے اسے جانا تھا سب کا خیال رکھنے والا دینا تندر اور شفاف دل کا مالک پر وہ یہ سب اسے کیوں سنا رہا تھا۔ بے ساختہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ بیلہ کے لبوں پر دوڑی۔

”اور اس بارانی میں تمہینہ کے ہاتھ میں وہ بریلیٹ دیکھ کر جو تمہارا چہرہ فق ہوا تھا وہ ابھی مجھ سے لے چکی تھیں مجھے کیا خبر تھی کہ وہ اسے حالانکہ میں نے لیا تو کسی اور کے لیے ہی۔“

میرا چہرہ کیوں فق ہوتا تھا خواہ وہ ہی اسے دفاع کرنا پڑا یا اور پھر بس پڑا۔

گھر بالکل قریب آچکا تھا۔ موسلا دھار برستی بارش میں سامنے کا منظر بار بار دہن لانا جا رہا تھا بیلہ نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، سر مٹی کا سنی بادلوں کا غبار دور تک پھیلا ہوا تھا۔

گھر آچکا تھا، وہ بنا کوئی لفظ کہے اترنے لگی تو پیچھے سے یاور کی گواز آئی۔ ”رات کو امی امبرو غیو کے ساتھ آرہی ہیں۔ تمہارے تایا آیا اور امی سے ملنے اور تمہارے تایا اب اتنے سمجھدار تو ہوں گے کہ سکندر کے مقابلے میں مجھے۔“

بیلہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور ہنس پڑی۔

تایا اب سمجھدار تو یقیناً ہوں گے، لیکن آج خود سے ان کی جس بے پناہ محبت کا اظہار وہ ابھی ابھی دیکھ کر آرہی تھی۔ وہ دل سے سب سوسے مٹا چکا تھا۔

مین گیٹ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور بیلہ بھاگتی ہوئی اندر غائب ہو چکی تھی۔



تک خالو اور تایا اب اس کے گئے جملوں کے زیر اثر تھی۔

اگر یہی سب وہ شادی کے بعد جان پاتی بیلہ کا دل زور سے کانپا زندگی بھر کے لیے اپنی نظروں میں کرے رہتا کتنا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔

”ایسا کرو اچھی طرح رولو، پھر اطمینان سے باتیں کریں گے۔“

وہ اس کی جانب دیکھے بغیر مشورہ دے رہا تھا اور مزید پروا نہ کرتا بیلہ کے لیے واقعی ناممکن تھا، سن گلاسز گود میں رکھ کر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر باقاعدہ رو دی یاور خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔

اس دخل اندازی نہ کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ چند منٹ میں اپنا دل ہلکا کر چکی تھی۔

”غلط فیصلے اسی طرح رلاتے ہیں، شکر کرو، کسی کچھتاوے کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ زندگی۔“ وہ اسے کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا مگر بیلہ کو اچانک ہی اس سے متعلق شکایتیں یاد آنے لگیں۔ ”جیسے تمہیں تمہینہ کا ساتھ نہ مل پائے کا کچھتاوا ہے۔“ یاور بہت زور سے ہنسا۔

”تمہارے احقر پن میں پہلے بھی کبھی شبہ کا شکار نہیں رہا ہوں۔“ وہ مستقل مذاق اڑائے جا رہا تھا۔

”کیوں اتنے دن سے تمہینہ اور اس کی امی کے آگے پیچھے نہیں پھر رہے تھے تم اور تمہاری امی اسے ہو بنانے کے کتنے کتنے جتن کیے جاری تھیں اور اس دن بارانی میں۔“ وہ بولتی رہیں۔

”بہت معلومات رکھتی ہو، میرے بارے میں، خیر تو ہے۔“ وہ اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا تو

بیلہ نے نظروں چرائیں۔ ”دراصل میرے اس معاملے کو اتنا میں رکھنے سے تم زبردست غلط فہمی کا

شکار رہیں۔“ یاور نے احتیاط سے موڑ کاٹا بارش تیز

ہو چکی تھی۔ ”میں امی کو ناخوش نہیں دیکھنا چاہتا تھا بیلہ

ایسے بڑے کا فیصلہ وہ خود کر سکتی، میری یہی خواہش تھی

اور مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی جان جائیں گی کہ ہر چہ